وہ جن نظروں سے دیکھتا ہے، میرا جی چاہتا ہے انہی قدموں پر کھڑی مرجاؤں۔ ایک ماں کے لیے اس سے بڑی ذلت اور کیا ہوگی کہ اس کے بیٹے کو علم ہو کہ اس کی ماں نے اسے چور دروازے پیدا کیا ہے۔

چور دروازہ

روایت: احمد یار خان
تحریر: عارف محمود

میں اپنی کئی تفتیشی کہانیوں میں بتا چکا ہوں کہ ہمارے زمانے میں قتل کی وارداتیں بہت کم ہوا کرتی تھیں۔ یہ حال نہیں تھا کہ جو آج کل پاکستان میں ہے۔ دن دیہاڑے قتل، ڈکیتیاں، پورے پورے کنبے کا قتل، سیاسی قتل۔ غرض تھانوں میں وارداتوں کے انبار لگے رہتے ہیں۔ پھر ان حالات میں پولیس کا کارگزاری ایسی ہی ہوگئی جیسی نظر آرہی ہے۔ ہمارے وقتوں میں وارداتیں کم ہونے کی وجہ سے کسی کیس کی تفتیش کے لیے خاصا وقت ملتا تھا۔

انگریزوں کے دور میں قتل، ڈکیتی وغیرہ کو سنگین وارداتیں سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پولیس کی مشینری آندھی طوفان کی طرح حرکت میں آجاتی تھی۔ انگریز افسر تفتیشی افسر پر آسیب کی طرح سوار رہتے تھے اور روزمرہ ڈائری چیک کرتے تھے مختصراً یہ کہ انگریز اپنے بنائے ہوئے قانون پر خود بھی سختی سے عمل کرتے تھے اور دوسروں سے بھی کراتے تھے۔

جو کہانی سنا رہا ہوں اس کا تعلق ہندوستانی پنجاب سے ہے۔ ان دنوں میں شہر کے مضافاتی علاقے کے تھانے میں تعینات تھا۔ میرے تھانے کے زیر اثر خاصا وسیع علاقہ تھا۔ یہاں ہندو سکھ اور مسلمانوں کی ملی جلی آبادی تھی۔ ان علاقوں میں چھوٹے موٹے جرائم ہوتے ہی رہتے تھے لیکن ڈکیتی یا قتل جیسی سنگین واردات پچھلے ڈیڑھ سال سے نہیں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ پرسکون تھانہ تھا۔

پھر قتل کی واردات آگئی۔ نزدیکی گاؤں سے تین دیہاتی تھانے میں یہ اطلاع لے کر آئے کہ ان کے گاؤں کے قریب کھیتوں میں ایک آدمی کی لاش پڑی ہے۔ تفصیل پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ مرنے والے کی شناخت ہوگئی ہے اور وہ اسی گاؤں کا رہنے والا ہے۔ اس کا نام جوہر علی بتایا گیا۔ یعنی مرنے والا مسلمان تھا۔

اصولاً اس واردات کی اطلاع لے کر نمبردار کو خود آنا چاہیے تھا۔ یہ اس کے فرائض میں شامل تھا میں اس گاؤں کے نمبردار کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ہندو تھا اور اس کا نام تلجا رام تھا۔ بہت نیک نام اور فرض شناس انسان تھا۔ اس میں تعصب نام کو بھی نہیں تھا۔ سب مذاہب کے لوگوں سے برابری کا سلوک کرتا تھا۔

میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تلجا رام خود کیوں نہیں آیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ نمبردار کو بخار چڑھا ہوا ہے اور وہ لاش کی حفاظت کے لیے وہیں موجود ہے۔

بہر حال میں ضروری تیاری کر کے اور دو کانسٹیبلوں اور ایک ہیڈ کانسٹیبل کو ساتھ لے کر ان کا پڑی تھی، اس کے آس پاس دیہاتیوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا تھا۔ تلجا رام مجھے دیکھتے ہی بڑی تیزی سے آگے آیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے تک لے کر جا کر پرنام کیا۔ میں اس سے تفصیلات پوچھنے لگا۔

اچانک ایک طرف سے ایک عورت کے بلند آواز سے رونے اور بین کرنے کی آواز آنے لگی۔ میں نے اس طرف دیکھا۔ ایک پختہ عمر کی عورت اپنے سینے پر دوہتڑ مار رہی تھی اور لاش کی طرف جانے کے لیے زور لگا رہی تھی۔ ایک بیس بائیس سال کا نوجوان اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نمبردار تلجا رام نے مجھے بتایا کہ یہ مقتول جوہر علی کی بیوہ ہے اور نوجوان، مقتول جوہر علی کا بیٹا مظہر علی ہے۔ نمبردار تلجا رام نے بتایا کہ اس بیٹے کے علاوہ جوہر علی کی دو بیٹیاں ہیں جو دوسرے علاقوں میں بیاہی ہوئی ہیں۔ ان کو اطلاع بھجوادی گئی ہے۔

لاش گندم کے کھیت کے پانچ چھ گز اندر کی طرف پڑی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک مینڈھ تھی۔ اس مینڈھ کے دوسری طرف ایک چھوٹا سا نالہ بنا ہوا تھا جو

کھیتوں تک پانی پہنچاتا تھا۔ اس وقت نالے میں پانی نہیں تھا۔ فروری کے آخری دن تھے اور گندم کے پودے خاصے اونچے ہو چکے تھے۔ میں نے کھیت کے اندر جا کر دیکھا، لاش اوندھے منہ پڑی تھی۔ جہاں لاش پڑی تھی اس کے اردگرد کی فصل ٹوٹی اور مسلی ہوئی تھی۔ صاف پتہ لگ رہا تھا کہ مقتول نے خاصی مزاحمت کی ہو گی لیکن قاتل یا قاتلوں نے آخر اسے بے بس کر لیا۔

لاش کے اردگرد خون بہہ بہہ کر جم گیا تھا اور اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اردگرد گندم کے پودوں پر بھی خون کے چھینٹے پڑ کر جمے ہوئے تھے۔ جسمانی ساخت اور قد و قامت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مقتول خاصا صحت مند تھا۔ اس کی کنپٹیوں پر موجود سفید بالوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ چالیس پینتالیس کے لگ بھگ عمر ہو گی۔

پشت پر کوئی زخم نہیں تھا۔ میں نے دو کانسٹیبلوں کی مدد سے لاش کو سیدھا کر کے دیکھا۔ اچھا خاصا خوبصورت آدمی تھا۔ مہنگے کپڑے کی بنی ہوئی شلوار قمیض پہنے ہوئے تھے۔ پیروں میں چمڑے کے سلیپر تھے جو دیہات میں کم لوگ پہنتے تھے۔ اس کے پیٹ پر زخموں کے نشان نظر آ رہے تھے۔ میں نے پیٹ پر سے قمیض ہٹا کر دیکھا۔ چاقو یا خنجر کے چار پانچ زخم تھے۔ ایک زخم تقریباً چار پانچ انچ لمبا تھا۔ سب زخم گہرے تھے۔

لاش کے بائیں ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی جس میں فیروزہ جڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے گلے میں ایک تعویذ تھا جو چاندی کے خول میں تھا۔ میں نے جیب کی تلاشی لی تو کچھ روپے اور سکے نکلے۔ یہ سب چیزیں میں نے اپنے قبضے میں لے لیں۔ پر بڑی باریک بینی سے جائے واردات کا جائزہ لیا مگر کوئی ایسی چیز نہ ملی جو تفتیش میں مدد کر سکتی۔ ہر طرف گندم کی فصل اور گھاس پھونس ہونے کی وجہ سے کھرے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

لاش کے ساتھ ملنے والی اشیاء سے ایک بات ثابت ہو گئی کہ قتل کی وجہ روپیہ پیسہ ہرگز نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ راہزنی کا معاملہ ہے۔ قتل کے انداز اور زخموں کی تعداد سے دشمنی ظاہر ہو رہی تھی۔ قتل عام طور پر عورت کی وجہ سے یا زمین جائیداد کے جھگڑے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ میں نے بڑی باریک بینی سے معائنہ کیا تھا مگر مجھے جائے واردات پر کسی عورت کی موجودگی کے آثار نہیں ملے تھے۔

میں نے نقشہ صورت حال مرتب کیا۔ لاش سے ملنے والی اشیاء کا اندراج کیا اور دیگر کاغذی کارروائی کر کے نمبردار تلجا رام اور دوسرے معززین سے بطور گواہ دستخط کرا لیے۔ اس طرح میں نے لاش قانونی طور پر اپنے قبضے میں لے کر نمبردار سے کہہ کر ایک چارپائی اور چادر منگوائی۔ چارپائی آ گئی تو لاش کو اس پر ڈال کر چادر سے ڈھک کر پوسٹمارٹم کے لیے بھجوا دیا۔ تلجا رام نے چارپائی اٹھانے کے لیے اپنے چار آدمی ساتھ کر دیے تھے۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل کو ساتھ بھیج دیا۔

جب وہ لوگ لاش لے کر جانے لگے تو مقتول کی بیوہ اس قدر دردناک انداز میں بین کرنے لگی کہ وہاں موجود سب لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ہم پولیس والوں کو ایسے موقعوں پر اپنا دل پتھر کا بنانا پڑتا ہے ورنہ وہ تفتیش نہ کر سکیں۔

بہرحال لاش چلی گئی اور میں نمبردار تلجا رام کے ساتھ اس کے پکے مکان کی بیٹھک میں آ بیٹھا۔

بیوی ہار گیا

میں نے مقتول کی بیوہ اور اس کے بیٹے سے بیان لینے سے پہلے ضروری سمجھا کہ نمبردار تلجا رام سے مقتول جو ہر علی کے متعلق معلومات لے لوں۔ نمبردار اپنے علاقے کے ہر مرد عورت کے بارے میں اتنی معلومات رکھتے تھے جتنی ان کو خود اپنے بارے میں بھی معلوم نہیں

ہوتیں۔ نمبردار میری ضرورت جانتا تھا کہ مجھے کس قسم کی معلومات کی ضرورت ہے۔ اس لیے اس نے مقتول جوہر علی کے متعلق بتانا شروع کر دیا۔ جہاں ضرورت پڑی میں اس سے سوال بھی پوچھتا گیا۔ ان معلومات کی روشنی میں مقتول جوہر علی کی جو شخصیت میرے سامنے آئی، وہ میں اپنے الفاظ میں سنا دیتا ہوں۔

جوہر علی کی گاؤں میں خاصی زمین تھی جس سے اس کو سال بھر کا اناج مل جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود زمینوں پر کام کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے زمین بٹائی پر دے رکھی تھی۔ خود وہ شہر کی منڈی میں آڑھت کا کام کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس میں شہریوں جیسے چاؤ چونچلے پائے جاتے تھے۔ بڑا شوقین مزاج اور شوباز تھا۔

تلجارام نے جو اہم بات بتائی وہ یہ تھی کہ عورتوں کا شکاری تھا۔ گورے چٹے رنگ اور اچھے نین نقش کی وجہ سے عورتیں اس کی جانب مائل ہو جاتی تھیں۔ اس عمر میں بھی ایسی حرکتوں سے باز نہ آیا تھا۔ جوا بھی کھیلتا تھا مگر نشے سے دور بھاگتا تھا۔ سگریٹ تک نہیں پیتا تھا۔

نمبردار تلجارام کا اور میرا اپنا بھی یہی خیال تھا کہ جوہر علی نے ضرور کسی کی بہن بیٹی یا بیوی سے یارانہ لگانے کی کوشش کی ہوگی۔ اس کے وارثوں کو اس بات کا علم ہو گیا اور انہوں نے موقع پا کر اس کا کام تمام کر دیا۔

اب یہ میرا کام تھا کہ معلوم کروں کہ مقتول جوہر علی کے تعلقات آج کل کس عورت کے ساتھ تھے۔ یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا۔ تلجارام نے یہ بھی بتایا تھا کہ اب پختہ عمر میں آ کر مقتول جوہر علی عورتوں کے معاملے میں محتاط ہو گیا تھا، دراصل اسے اس کی جوانی نے زیادہ بدنام کیا تھا۔ جوانی کچھ نہیں دیکھتی، کچھ نہیں سوچتی کہ جو کچھ وہ کرنے جا رہا ہے اس کا انجام کیا ہوگا۔

''کیا تم کسی ایسی عورت کے متعلق بتا سکتے ہو'' ۔۔۔ میں نے نمبردار تلجارام سے پوچھا ۔۔۔ ''جس کے ساتھ مقتول کے آج کل تعلقات ہوں؟''

''میری نظر میں ایسی ایک ہی عورت ہے'' ۔۔۔ تلجارام نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا ۔۔۔ ''وہ بھوپندر سنگھ کی بیوی رینی کور ہے......''

اس کے بعد نمبردار تلجارام نے مجھے ایک لمبی بات سنا دی۔ یہ بات چونکہ خاصی دلچسپ ہے، اس لیے میں اسے پوری تفصیل سے اپنے الفاظ میں سنا رہا ہوں۔

معلوم نہیں یہ بات سچ ہے یا جھوٹ، سنا ہے کہ بھوپندر سنگھ شراب کے نشے میں دھت جوئے میں اپنی گھر والی کو جوہر علی کے آگے ہار گیا تھا۔ بعد میں جب بھوپندر کا نشہ اترا تو اس نے اپنی خوبصورت بیوی کو جوہر علی کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بات پر جھگڑا بڑھ گیا۔ دوسرے جواریوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور فیصلہ دیا کہ اصولاً بھوپندر سنگھ ہمارے سامنے اپنی بیوی جوہر علی کے آگے ہار چکا ہے۔ اگر جوہر علی یہ بازی ہار جاتا تو بھوپندر کی گھر والی رینی سنگھ اب جوہر علی کی ملکیت ہے۔ پھر بھی ہم جوہر علی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ بھوپندر سنگھ کے ساتھ رعایت کرے۔

اس کے جواب میں جوہر علی نے کہا کہ وہ بھوپندر سنگھ کے ساتھ اتنی رعایت کر سکتا ہے کہ جتنی رقم اس نے داؤ پر لگائی تھی وہ اس سے دگنی رقم دے کر اپنی بیوی چھڑا لے...... اس بات پر بھوپندر سنگھ پریشان ہو گیا کہ وہ اتنی زیادہ رقم کا فوری طور پر انتظام نہیں کر سکتا۔ تب جوہر علی نے کہا کہ وہ بھوپندر سنگھ کو ایک ہفتے کی مہلت دے دیتا ہے۔ وہ ایک ہفتے تک پیسوں کا انتظام کر لے اور اگر وہ انتظام نہ کر سکا تو پھر وہ اس کی بیوی چھین لے گا۔ بھوپندر یہ بات مان گیا۔

بھوپندر سنگھ معمولی مزارع تھا۔ بڑی مشکل سے گھر کا دال دلیہ پورا کرتا تھا۔ اتنی بڑی رقم کا انتظام کرنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھا۔ اس نے ادھر ادھر سے

یاروں دوستوں سے ادھار پیسے مانگنے شروع کر دیئے مگر اس کے یار دوست بھی مالی لحاظ سے اسی جیسے تھے۔ چار دن گزر گئے تھے اور وہ بہت تھوڑے پیسے جمع کر سکا تھا۔ صرف تین دن باقی رہ گئے تھے اور بھوپندر سنگھ کو صاف نظر آرہا تھا کہ وہ مطلوبہ رقم کا انتظام نہیں کر سکے گا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اسے اپنی بیوی ہاتھ سے نکلتی نظر آنے لگی۔

اچانک اسے خیال آیا کہ اس کی گھر والی کے پاس تھوڑا سا زیور پڑا ہوا ہے، اگر وہ اپنا زیور دینے پر آمادہ ہو جائے تو پھر کام بن سکتا ہے۔ رینی کور اپنے زیور کو بہت سنبھال کر رکھتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا خاوند جوا کھیلتا ہے اور جواری کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔

جواری ہارتا بھی جاتا ہے اور اس امید پر کھیلتا بھی جاتا ہے کہ وہ ایک ہی بازی میں سارا نقصان پورا کرلے گا۔ اسی امید پر وہ اپنی آخری پونجی اور پھر گھر کا سامان بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ بعض بے غیرت اور بے حس جواری اپنی بیوی کو بھی تاش کے پتوں کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

بھوپندر کی بیوی بڑی سخت طبیعت کی عورت تھی۔ اس میں سکھوں والی بے باکی بھی تھی اور وہ منہ پھٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ہتھ چھٹ بھی تھی۔ اکثر بھوپندر کو ننگی گالیاں بکتی تھی اور ہاتھا پائی پر بھی اتر آتی تھی۔ بھوپندر سنگھ اگر اس نے زیور مانگتا تو وہ کبھی بھی نہ دیتی۔ بھوپندر نے اپنی بیوی کا زیور چوری کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ اگر بیوی کو یہ بات معلوم ہوگئی تو گھر میں بڑا دنگا فساد ہوگا۔ دوسری طرف اس کی عزت غیرت کا مسئلہ تھا۔

بھوپندر بے غیرت نہیں تھا لیکن دیسی شراب کے نشے کی ترنگ میں اپنی عزت غیرت داؤ پر لگا بیٹھا تھا۔ رینی کور نے اپنا زیور ایک جستی ٹرنک میں رکھا ہوا تھا۔

اس ٹرنک کو تالا لگا رہتا تھا اور اس تالے کی چابی رینی کور نے ایک ڈوری میں پرو کر گلے میں ڈال رکھی تھی۔ آدھی رات کے وقت جب رینی گہری نیند سو رہی تھی تو بھوپندر نے بڑی استادی سے اس کے گلے سے چابی نکال لی اور ٹرنک کا تالا کھول کر زیور ڈھونڈنے لگا۔ کپڑوں کے اندر نچلی تہہ میں زیور اسے مل گیا۔

بھوپندر نے اندھیرے میں ٹٹول کر یہ ساری کارروائی کی تھی۔ پھر اس نے ٹرنک کو دوبارہ تالا لگا دیا لیکن بھوپندر کی قسمت خراب تھی یا اسے شامت اعمال کہہ لیں کہ عین اسی وقت صحن میں دو بلیاں لڑنے لگیں اور بڑی یہ خوفناک آواز میں غرانے لگیں۔ ان کی آواز سے رینی کور کی آنکھ کھل گئی اور پھر بھوپندر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔

پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ رینی کور اسے ننگی گالیاں دیتی رہی اور وہ اس کی منت سماجت کرنے لگا کہ زیور اسے دے دے۔ رینی کور نے بھوپندر سنگھ سے کہا کہ وہ سیدھی طرح بتائے کہ اسے زیور چوری کرنے کی ضرورت کیوں پڑ گئی ہے۔ پہلے تو بھوپندر نے ٹالنے کی کوشش کرتا رہا لیکن رینی کور ٹلنے والی عورت نہیں تھی۔ آخر بھوپندر نے اسے اصل بات بتادی۔

اس کے بعد رینی کور نے بلند آواز سے بولنا شروع کر دیا اور ایسی ایسی سنائیں کہ بھوپندر کو شرم سے پسینہ آگیا۔ اردگرد کے ہمسائے بھی جاگ اٹھے اور یوں صبح تک سارے گاؤں والوں کو معلوم ہوگیا کہ بھوپندر نے کیا بے غیرتی دکھائی ہے۔

رینی کور نے کہا کہ میں کوئی گائے یا بکری نہیں ہوں کہ بھوپندر نے باپ کا مال سمجھ کر مجھے داؤ پر لگا دیا۔ اگر میرا خاوند بے غیرت ہوگیا ہے تو میں اس سے بڑھ کر بے غیرت بن کر دکھاؤں گی۔ اب میں اس کی ہوں جس نے مجھے جوئے میں جیتا ہے۔

اس کے بعد اس نے بھوپندر کو اپنے قریب آنے اور ہاتھ لگانے سے منع کر دیا۔ پھر رینی کور نے انتقاماً جوہر علی سے ایسے تعلقات قائم کر لیے جن کی کوئی بھی مذہب اجازت نہیں دیتا اور جو ناجائز کہلاتے ہیں۔ یہ بھوپندر کی غیرت پر ایسی چوٹ تھی کہ اسے چپ لگ گئی اور وہ اندر ہی اندر گھلنے لگا۔ وہ سرعام کہتا پھرتا تھا کہ جب بھی موقع ملا وہ رینی کور اور جوہر علی کو قتل کر دے گا۔

بعد میں جوہر علی نے اسے جیت کی رقم معاف کر دی مگر رینی کور نے بھوپندر کو معاف نہیں کیا تھا۔ وہ سرعام دوسرے مردوں سے دوستیاں لگانے لگی تھی۔ دوسرے لفظوں میں جوش انتقام میں اندھی ہو کر ایسے راستے پر چل پڑی تھی جس کا اختتام ایک گہری کھائی پر ہوتا تھا۔

اس دوران دو تین مرتبہ جوہر علی اور بھوپندر کا جھگڑا بھی ہوا اور نوبت ہاتھا پائی سے ڈانگ سوٹے تک بھی پہنچی لیکن بھوپندر اس بات سے مار کھا جاتا تھا کہ اس کی اپنی مرغی خراب تھی جو دوسروں کے ہاں جا کر انڈا دیتی تھی۔ اس کے دل میں جوہر علی کے خلاف دشمنی پکی ہو گئی تھی۔ وہ جوہر علی ہی تھا جس کی وجہ سے اسے اپنی اتنی خوبصورت بیوی سے نہ صرف ہاتھ دھونا پڑے بلکہ ہر طرف اس کی بے عزتی اور بے غیرتی کے چرچے ہو گئے۔ یہ تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات تھی۔

عورتوں کا شکاری

تلجا رام نے بھوپندر سنگھ کی کہانی سنائی تو مجھے یوں لگا کہ اس نے بھوپندر سنگھ کی صورت میں جوہر علی کے قاتل کو میرے سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ دشمنی صاف ظاہر تھی۔ قتل کی وجہ بھی موجود تھی۔ بھوپندر سنگھ اب میرا مشتبہ نمبر ایک تھا۔ میں نے تلجا رام سے بھوپندر کے متعلق کچھ اور باتیں پوچھیں اور پھر اس سے کہا کہ وہ اپنا ایک آدمی بھیج کر بھوپندر کو یہیں بلا لے۔ نمبردار نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ جائے اور بھوپندر سنگھ جہاں بھی ملے اسے لے کر آئے۔

اگرچہ مقتول جوہر علی کے لواحقین صدمے کی حالت میں تھے لیکن میرے لیے ان کا بیان لینا ضروری تھا۔ میں نے ماتم والے گھر میں جانا مناسب نہ سمجھا اور ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ مقتول کے بیٹے مظہر علی اور اس کی ماں کو یہاں لے آئے۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ماں بیٹا آ گئے۔ بیٹا تو حوصلے میں نظر آ رہا تھا لیکن مقتول کی بیوہ کی حالت اچھی نہیں تھی۔ وہ غم سے نڈھال نظر آ رہی تھی۔ میں نے دونوں کے ساتھ رسمی افسوس کا اظہار کیا اور پہلے مظہر کو بیان کے لیے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''مقتول جوہر علی کی کسی کے ساتھ دشمنی تھی؟'' — میں نے اس سے پوچھا۔

''یہ بات سارا گاؤں جانتا ہے'' — مظہر علی نے کہا — ''کہ بھوپندر ان کی جان کا دشمن بنا ہوا تھا۔ یہ اسی کا کام ہے''۔

''بھوپندر کو تمہارے باپ سے کیا دشمنی تھی؟'' — میں نے پوچھا۔

''اس کی بیوی آوارہ عورت ہے'' — مظہر علی نے کہا — ''میرے باپ کے پیچھے پڑی ہوئی تھی.....'' — اس کے بعد اس نے تقریباً وہی بات سنا دی جو پہلے ہی میں نمبردار تلجا رام سے سن چکا تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ میرے باپ کو بھوپندر نے ہی قتل کیا ہے'' — مظہر علی نے ساری بات سنا کر کہا۔

''رات تمہارا باپ کہاں تھا؟'' — میں نے پوچھا — ''وہ جائے واردات تک کیوں گیا تھا۔ کیا رات کوئی اس سے ملنے کے لیے آیا تھا؟''

''رات کو کوئی اس سے ملنے نہیں آیا'' — مظہر علی نے کہا — ''رات کو وہ گھر میں ہی سویا تھا، پتہ نہیں کس وقت باہر نکلا''۔

''اس کے علاوہ کسی کے ساتھ کوئی دشمنی یا لڑائی جھگڑا؟'' ــــ میں نے پوچھا۔

''چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے تو چلتے ہی رہتے ہیں'' ــــ اس نے کہا ــــ ''لیکن کسی کے ساتھ ایسی دشمنی نہیں تھی کہ قتل تک نوبت آجائے''۔

''سنا ہے، مقتول عورتوں کا شکار تھا'' ــــ میں نے اس سے کہا۔

''اس میں میرے باپ کا قصور نہیں'' ــــ اس نے کچھ ناگواری سے کہا ــــ ''لوگ تو بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔ میرا باپ اونچا لمبا اور خوبرو مرد تھا۔ اس کے برعکس اکثر ہنو موٹے، بدشکل یا پھر بالکل ہی مریل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی بیویاں میرے باپ کے پیچھے لگی رہتی تھیں اور بدنام کرتی تھیں''۔

وہ آخر بیٹا تھا، اپنے باپ کی حمایت قدرتی بات تھی۔

''ایک بات یاد آگئی ہے''۔ مظہر علی نے اچانک کہا ــــ ''ہوسکتا ہے آپ کے کام کی ہو۔ آج کل میرا باپ بہت پریشان رہتا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ آڑھت کے کام میں بہت نقصان ہوگیا ہے۔ اس کے مقابلے میں منڈی میں موجود چند ہندو آڑھتیوں نے ایسا چکر چلایا کہ میرا باپ سمجھ نہ سکا اور گھاٹا کھا گیا۔ وہ پیسے کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ وہ کہتا تھا کہ پاؤں جمانے کے لیے فوری طور پر خاصی رقم کی ضرورت ہے''۔

میں نے یہ بات اپنے ذہن میں رکھ لی مگر میرا خیال تھا کہ کاروبار میں ایسی اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے اور کاروباری حریف ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس معاملے کی وجہ سے کوئی قتل ہوتا تو وہ جوہر علی نہ ہوتا بلکہ جوہر علی کے ہاتھ اس کا کوئی کاروباری حریف ہندو قتل ہوتا۔

بہرحال میں نے مظہر علی سے اپنے کام کی کچھ اور

> اخلاق ایک دکان ہے اور زبان اس کا تالا۔ تالا کھلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دکان سونے کی ہے یا کوئلے کی۔ (رانا محمد شاہد)

باتیں پوچھ کر اس کی والدہ یعنی مقتول جوہر علی کی بیوہ کو بلالیا۔ اس سے بھی میں نے وہی باتیں پوچھیں جو مظہر علی سے پوچھی تھیں۔ اس نے تقریباً وہی جواب دیے جو اس کا بیٹا مظہر علی دے چکا تھا۔ میاں بیوی دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ مقتول کی بیوہ سے کوئی ایسی بات معلوم ہوجائے گی جو بیٹے کو معلوم نہ ہوگی۔ مگر مجھے اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ وہ پکی شوہر پرست عورت تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے شوہر کا اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک تھا، گھر کے باہر وہ کیا کرتا ہے، اس بات سے اسے کوئی غرض نہ تھی۔

میں نے دونوں کو جانے کی اجازت دے دی۔

اب مجھے اس بات کا انتظار تھا کہ جو آدمی بھوپندر سنگھ کو لانے کے لیے گیا ہے، وہ آجائے تو میں بھوپندر سنگھ کو ساتھ لے کر تھانے چلا جاؤں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ آدمی آگیا جو بھوپندر سنگھ کو لینے کے لیے گیا تھا۔ وہ بھوپندر کو لے آیا تھا۔ اس نے میرے کہنے پر بھوپندر سنگھ کو میرے سامنے پیش کر دیا۔ وہ ویسا ہی سکھ تھا جیسے عام طور پر سکھ ہوتے ہیں۔ شکل وصورت واجبی تھی مگر بھینسے کی طرح پلا ہوا تھا۔ میں نے اسے پہلی نظر دیکھا تو جو خیال میرے دماغ میں آیا، وہ یہ تھا کہ اتنے صحت مند جوان آدمی کی بیوی اسے ٹھکرا کر کسی اور سے یارانہ لگائے تو وہ کسی بھی حد تک جاسکتی ہے، قتل تو معمولی بات ہے۔

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ہندوؤں کی طرح مجھے سلام کیا۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب باقی تفتیش تھانے میں جا کر کروں گا۔ میں نے بھوپندر سنگھ سے کوئی

بات نہ کی اور کانسٹیبلوں سے کہا کہ بھوپندر کو ساتھ لے کر تھانے چلیں۔

یہ سنتے ہی بھوپندر سنگھ تڑپنے لگا کہ اسے تھانے کیوں لے جایا جارہا ہے۔ کانسٹیبلوں نے اس سے کہا کہ یہ اسے تھانے جا کر ہی پتہ چلے گا۔ اگر وہ شرافت سے نہیں چلے گا تو پھر وہ اسے چھترول کرتے ہوئے لے جائیں گے۔ یہ سن کر وہ چپ چاپ ہمارے ساتھ چل پڑا۔

تھانے پہنچ کر میں نے بھوپندر سنگھ کو حوالات میں بند کرنے کا حکم دیا۔ میرا خیال تھا کہ بھوپندر کو ابھی رات تک حوالات میں بند رکھ کے پریشان کیا جائے پھر رات کو اس سے پوچھ گچھ کروں گا۔ یہ بھی ملزم کو نفسیاتی طور پر توڑنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔

صبح سے دوپہر دو بجے سے زیادہ وقت ہوگیا تھا۔ میں خاصا تھک چکا تھا۔ اس لیے میں نے تھوڑی دیر آرام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

گورو کی قسم!

تقریباً آدھ پون گھنٹہ آرام کے بعد تازہ دم ہو کر پھر تھانے آ گیا۔ میں نے کچھ دوسرے ضروری کام نمٹانے تھے، ان میں مصروف ہوگیا۔ شام سات بجے کے قریب وہ ہیڈ کانسٹیبل آ گیا جو پوسٹمارٹم کے لیے مقتول جوہر علی کی لاش کے ساتھ گیا تھا۔ وہ پوسٹمارٹم رپورٹ لے آیا تھا۔ مقتول لاش کو ضروری کارروائی کے بعد اس کے بیٹے مظہر علی کے سپرد کر دیا گیا۔

میں نے پوسٹمارٹم رپورٹ دیکھی۔ موت کا وقت رات بارہ بجے کے ذرا بعد کا لکھا تھا۔ مقتول کے معدے میں غیر ہضم شدہ غذا موجود تھی۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مقتول کے جسم پر چاقو یا خنجر کے پانچ زخم تھے۔ پوسٹمارٹم رپورٹ میں ان کی لمبائی اور گہرائی بھی لکھی تھی۔ ایک زخم نے معدے اور انتڑیوں کو کاٹ دیا تھا۔ باقی کے زخم بھی جان لیوا حد تک خطرناک تھے۔ مختصراً یہ کہ مقتول کی موت کا باعث یہی زخم تھے۔

ادھر اُدھر کے کاموں میں رات کے نو بج گئے۔ سردیوں کے دن تھے۔ سرشام ہی اندھیرا گہرا ہو جاتا تھا۔ میں نے بھوپندر سے پوچھ گچھ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور ایک کانسٹیبل سے کہا کہ وہ بھوپندر سنگھ کو حوالات سے نکال کر میرے پاس لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد کانسٹیبل کو دروازے میں کھڑا رہنے کو کہا۔

میں نے بھوپندر سنگھ کو ایک طرف کھڑا کر دیا۔ وہ خاصا پریشان نظر آرہا تھا مگر خوفزدہ نہیں لگ رہا تھا۔

''تم نے مردوں والا کام کیا ہے بھوپندرے!'' ـــ میں نے ستائشی لہجے میں کہا ـــ ''اب مردوں کی طرح اپنے جرم کا اقبال بھی کرلو''۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سرکار!'' ـــ اس نے پریشان ہو کر کہا ـــ ''میں کس جرم کا اقبال کرلوں؟..... میں نے آج تک کوئی جرم نہیں کیا''۔

''میں جوہر علی کی بات کر رہا ہوں'' ـــ میں نے کہا ـــ ''اس نے تمہاری غیرت کو للکارا تھا اور تم نے اسے دنیا کے تختے سے ہی اٹھا دیا..... تمہاری جگہ کوئی بھی غیرت مند ہوتا تو یہی کرتا''۔

''یہ غلط ہے سرکار!'' ـــ اس نے بھیک مانگتی آواز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا ـــ ''میں نے جوہر علی کو نہیں مارا''۔

''کیا تم اپنی گھر والی کو جوئے میں نہیں ہارے تھے؟'' ـــ میں نے کڑک کر کہا ـــ ''کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ اپنی گھر والی اور جوہر علی کو موقعہ ملتے ہی قتل کرو گے؟..... تم انکار کرو، پورا گاؤں تمہارے خلاف گواہی دے گا''۔

''یہ سب سچ ہے حضور!'' ـــ اس نے مردہ سی آواز میں کہا ـــ ''لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جوہر علی کو میں نے

قتل نہیں کیا‘‘۔

’’تم نے غیرت میں آ کر قتل کیا ہے‘‘۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ’’اقبال جرم کر لو، میں تمہاری مدد کروں گا اور کیس ایسا بناؤں گا کہ فوری اشتعال ثابت ہو جائے۔ تمہیں بہت تھوڑی سزا ہوگی‘‘۔

وہ اپنے گوروؤں کی قسمیں کھا کھا کر مجھے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ قتل اس نے نہیں کیا۔ مجھے اس کی قسموں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ پولیس والے قسموں کی بجائے حالات و واقعات اور شواہد کو سامنے رکھتے ہیں۔ حالات و واقعات بھوپندر کے خلاف تھے۔ قتل کی بڑی صاف وجہ موجود تھی۔

میں نے بڑے استادی طریقوں سے اسے منوانے کی کوشش کی لیکن اس کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ یہ قتل اس نے نہیں کیا۔ ایک ہی سوال کو میں نے گھما پھرا کر کئی بار پوچھا۔ میں نے اس کی یہ حالت کر دی تھی کہ وہ رونے پر آ گیا لیکن اس کے باوجود اس کے منہ سے کچھ نہ اگلوا سکا۔ میرا اپنا دماغ چکرانے لگا تھا۔ اب مجھے اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ میں نے اپنے اے ایس آئی کو بلا کر کہا کہ صبح تک اس سے اقبال بیان چاہتا ہوں میری طرف سے اجازت ہے، بے شک اسے ذبح کر دو۔ اے ایس آئی اسے اپنے ساتھ لے گیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی اپنی کئی کہانیاں میں بتایا ہے کہ تشدد کا قائل نہیں تھا لیکن کبھی کبھار جب گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلتا تو انگلیاں مجبوراً ٹیڑھی کر لیتا تھا۔ اس سکھ کے بچے نے میری کھوپڑی پلپلی کر کے رکھ دی تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ اس سارے ڈرامے کے ایک اہم کردار کو میں نظر انداز کر گیا ہوں۔ یہ اہم کردار تھا، بھوپندر سنگھ کی بیوی رنجی کور۔ میں نے ایک کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ وہ صبح میرے آنے سے پہلے رنجی کور کو تھانے میں بٹھا رکھے۔ اس کے بعد میں آرام کرنے کے

ISO 9001 - 2008
Tamoor FANS
120950
تیمور فین رجسٹرڈ
تیمور فین کی دیگر مصنوعات
برقی مدھانی، واشنگ مشین، ائیر کولر، گیس ہیٹر، کوکنگ رینج، واٹر ہیٹر
175342
جمال اپنگھے رجسٹرڈ
تیمور فین کمپنی
32B سمال انڈسٹریز اسٹیٹ گجرات
053-3524181, 3511167

لے تھانے سے نکل آیا۔

جب میں تھانے سے نکل رہا تھا تو مجھے بھوپندر سنگھ کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔

سکھ نے مشکل میں ڈال دیا

اگلے دن میں معمول سے ذرا جلد تھانے آ گیا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی تھی کہ میں نے ابھی تک رینی کور کا بیان نہیں لیا تھا۔ تھانے آ کر مجھے پتہ چلا کہ رینی کور آ چکی ہے اور دوسرے کمرے میں بٹھایا ہوا ہے۔ میں نے اس کو بلانے سے پہلے اے ایس آئی کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ بھوپندر سنگھ نے اقبالی بیان دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے یا نہیں۔

''وہ انسان نہیں جانور ہے''۔۔۔ اے ایس آئی نے کہا۔۔۔ ''اتنا زیادہ تشدد کوئی ملزم برداشت نہیں کرتا اور نا کردہ جرم کا اقبال بھی کر لیتا ہے مگر اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ بس یہی کہتا ہے کہ مجھے بے شک جان سے مار ڈالو، جو کام میں نے نہیں کیا اسے کیسے مان جاؤں''۔

اے ایس آئی کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ بھوپندر ٹھیک کہہ رہا تھا یہ قتل کسی اور نے کیا ہو اور کون جو ہر علی کو قتل کر سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب خاصا مشکل تھا۔ میں نے اے ایس آئی سے کہا کہ وہ رینی کور کو میرے پاس بھجوا دے، بھوپندر کے متعلق بعد میں بات کروں گا۔

تھوڑی دیر بعد ایک کانسٹیبل رینی کور کو لے کر آ گیا۔ وہ صحیح معنوں میں پنجاب کی مٹی کا شاہکار تھی۔ مردوں کی طرح اونچا لمبا قد، انتہائی متناسب بدن۔ اس کا رنگ گورا نہیں تھا بلکہ گندمی تھا اور نین نقش میں جاذبیت تھی۔ میں اس کا ناک نقشہ پولیس والوں کی زبان میں پیش کر رہا ہوں۔ تھانیدار کی بجائے میں اگر شاعر ہوتا تو ایک غزل میں اس کا نقشہ کھینچتا اور مبالغے کی حد تک چلا جاتا۔

اس کا ناک نقشہ بتانے سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہ اس قابل تھی کہ مرد اس کی خاطر کسی دوسرے مرد کو قتل کر دے یا خود قتل ہو جائے۔ وہ گھبرائی ہو بالکل نہیں تھی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بڑی پُراعتماد عورت ہے۔ میں نے اسے بیٹھنے کو کہا تو وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اس کا اور بھوپندر کا جھگڑا کیوں ہوا تھا؟''

''وہ پکا بے غیرت ہے جی!''۔۔۔ اس نے غصے سے کہا۔۔۔ ''میں اس کے گھر کی عزت تھی اور وہ بے شرم مجھے لوٹ کا مال سمجھ کر جوئے میں ہار آیا تھا''۔

اس کے بعد رینی نے سارا واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔ میں درمیان میں اس سے جہاں ضرورت پڑی سوال بھی پوچھتا گیا۔ اس نے اس بات کا اقرار بھی کر لیا کہ اس کے مقتول جو ہر علی کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔

''آپ خود انصاف کریں''۔۔۔ رینی کور نے ڈھٹائی سے کہا۔۔۔ ''جوئے میں ہاری ہوئی چیز جیتنے والے کی ہوتی ہے۔ جو ہر علی نے مجھے جیت لیا تھا۔ اصولاً میں اس کی ملکیت ہو گئی تھی۔ میں اپنے بے غیرت خاوند کو سبق سکھانے کے لیے جو ہر علی کے پاس چلی گئی''۔

''بھونڈر کا ردعمل کیا تھا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ ''کیا اس نے تمہیں اور جو ہر علی کو قتل کرنے کی دھمکیاں دی تھیں؟''

''ہاں، کئی بار دی تھیں''۔۔۔ رینی نے کہا۔۔۔ ''مگر وہ جو ہر علی سے کچھ خائف سا تھا''۔

''کیا مقتول جو ہر علی قتل والی رات تم سے ملا تھا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''نہیں!''۔۔۔ رینی کور نے کہا۔۔۔ ''پچھلے تین چار دنوں سے میری اس کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ ان دنوں کچھ پریشان تھا۔ منڈی میں اس کا

مخالفوں سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ اسے اپنا کام چلانے کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی“۔

رینی کا جواب سن کر مجھے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے مقتول جوہر علی کا منڈی میں جھگڑا ایسی نوعیت اختیار کر گیا ہو کہ مخالفوں نے اس کا کام تمام کروا دیا ہو۔ میں نے اس پہلو پر بھی اپنی تفتیش کو لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اب میرے پاس دو مشتبہ ہو گئے تھے۔ بھوپندر سنگھ میرا مشتبہ نمبر ایک تھا اور مقتول جوہر علی کے کاروباری حریف دوسرے نمبر پر تھے۔

میں نے تفتیش کے دائرے کو مزید وسیع کرتے ہوئے منڈی تک بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟“ ۔۔۔ میں نے رینی سے پوچھا۔ ”جوہر علی کو بھوپندر نے قتل کیا ہے؟ کیا اس میں اتنی ہمت ہے کہ قتل کر سکے؟“

”بھوپندر میں اتنی ہمت نہیں ہے“ ۔۔۔ رینی کور نے کہا۔ ”یہ میرا اپنا خیال ہے، ویسے انسان کرنے پر آئے تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔ قتل کرنے کے لیے غیرت مند ہونا اور غصہ آنا ضروری ہے۔ بھوپندر اگر غیرت اور غصے میں قتل کرتا تو ڈیڑھ دو ماہ انتظار نہ کرتا، فوراً قتل کر دیتا...... وہ پکا بے غیرت ہے اور کھوکھلی دھمکیاں دیتا پھرتا تھا“۔

رینی کی بات میں وزن تھا اور یہ بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ بھوپندر کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے تو ہر ایک کو شک کی نگاہ سے ہی دیکھنا تھا۔

بہرحال میں نے رینی سے کچھ مزید باتیں پوچھیں اور اس کا بیان قلمبند کر لیا۔ اس کے بعد میں نے اسے یہ کہہ کر جانے کی اجازت دے دی کہ وہ مجھے بتائے بغیر گاؤں سے باہر نہ جائے اور جب بھی اس کی ضرورت پڑے، تھانے حاضر ہو جائے۔

ISO 9001:2008
النور فین رجسٹرڈ
النور الیکٹرک انڈسٹریز 75۔بی، سمال انڈسٹریز اسٹیٹ، جی ٹی روڈ گجرات
053-3530447 , 0300-9702203 , 0345-6333393
http://www.alnoorfans.com

ریتی ابھی میرے پاس ہی بیٹھی تھی کہ میں نے اے ایس آئی کو بلا کر اس کے کان میں کہا کہ وہ بھوپندر سنگھ کو اس طرح لے آئے کہ وہ ریتی کو دیکھ لے۔ وہ چلا گیا تھا۔

اِدھر ریتی میرے کمرے سے نکلی، اُدھر سے اے ایس آئی بھوپندر کو لے کر آ رہا تھا۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو بھوپندر نے اسے سکھوں والی ایک بڑی ہی ننگی گالی دی۔ اس کے جواب میں ریتی نے بھی اسے ننگی گالیاں دینی شروع کر دیں اور اسے بے غیرت، نامرد اور عورتوں کا دلال جیسے خطاب دینے شروع کر دیے۔

بھوپندر سنگھ نے ریتی پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر اے ایس آئی اسے کھینچ کر پیچھے پاس لے آیا اور ریتی بکتی جھکتی تھانے سے نکل گی۔ غصے کے مارے بھوپندر کا برا حال تھا۔ اس کا منہ سے کف اڑ رہا تھا اور وہ ریتی کو گالیاں بک رہا تھا۔ میں نے اسے خاموش ہونے کو کہا تو وہ چپ ہوا۔

میں نے اس کے غصے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور اسے کہا کہ اس کی بیوی یہ بیان دے گئی ہے کہ قتل والی رات اس نے مقتول جوہر علی کو اپنے خاوند کے ساتھ کھیتوں کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

''بکواس کرتی ہے حرامزادی'' ـــــ بھوپندر سنگھ نے کہا ـــــ ''وہ مجھے پھائے (پھانسی) لگوانا چاہتی ہے''۔

''میں تمہیں پھانسی نہیں لگنے دوں گا'' ـــــ میں نے کرسی سے اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا ـــــ ''یہ مردوں والا وعدہ ہے۔ تم اقبالی بیان دے دو، پھر اس کیس سے تمہیں نکالنا میرا کام ہے''۔

اس نے ایسی نظروں سے میری طرف دیکھا جن میں بے اعتباری صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ سوچنے لگا جیسا کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''آپ کو میرا اقبالی بیان چاہیے نا؟'' ـــــ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''ہاں!'' ـــــ میں نے کہا۔

''مجھے صرف آدھے گھنٹے کی چھٹی دو صاحب جی!'' ـــــ اس نے کہا ـــــ ''واپس آ کر اقبالی بیان بھی دوں گا اور آلۂ قتل بھی پیش کروں گا''۔

''پہلے اقبالی بیان دو'' ـــــ میں نے کہا ـــــ ''آلۂ قتل برآمد کراؤ پھر کوئی بات کرنا''۔

''آپ پہلے اقبالی بیان چاہتے تو لکھیں'' ـــــ بھوپندر نے کہا ـــــ ''میں نے اپنی بیوی ریتی کور کو بدچلنی اور بدمعاشیوں کی وجہ سے کرپان سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے......''

''یہ کیا بکواس ہے؟'' ـــــ میں نے اس کی بات کاٹ کر غصے سے پوچھا ـــــ ''میں مقتول جوہر علی کے قتل کی بات کر رہا ہوں اور تم بات کو کدھر لے جا رہے ہو''۔

''جوہر علی کا قتل میں نے نہیں کیا'' ـــــ اس نے بڑے پختہ لہجے میں کہا ـــــ ''یہ بات آپ لکھ لیں۔ ریتی میرے ہاتھوں قتل ہو گی...... مجھے صرف آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں، میں اس حرامزادی کا کام کر کے پیش ہو جاؤں گا''۔

میں نے اس سے پہلے بھی کئی تفتیشی کہانیوں میں سکھوں کے متعلق لکھا ہے۔ یہ بڑے جذباتی ہوتے ہیں اور قتل کر کے بڑے فخر سے تھانے میں پیش ہو جاتے تھے۔ ان کے ساتھ زیادہ مغز نہیں کھپانا پڑتا تھا مگر اس سکھ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اب تو مجھے بھی شک ہونے لگا تھا کہ جوہر علی کو اس نے قتل نہیں کیا۔ میں نے اس کے ساتھ بڑا مغز کھپایا تھا لیکن حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔

میں نے اسے واپس حوالات میں بھجوا دیا اور خود سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ واردات کو دوسرا

دن تھا اور میں ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا۔ میں نے اگلے دن کا لائحہ عمل بنایا کہ اب تفتیش کو کس رخ پر لے کر جانا ہے۔ مجھے بھوپندر سنگھ کے علاوہ بھی کچھ امکانات پر غور کرنا تھا۔

میں اگلے دن کا پروگرام بنا کر تھانے سے آ گیا۔

رام کی دنیا

اگلے دن کیا ہونے والا ہے، یہ کوئی نہیں جانتا۔ میں بھی نہیں جانتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ میں سو رہا تھا جب میرے سرکاری کوارٹر کا دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔ دستک کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے قریبی میز پر پڑی کلائی گھڑی اٹھا کر دیکھی۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ سردیوں کے دن تھے۔ اس وقت ملگجا سا اجالا پھیل رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ تھانے سے کوئی آیا ہوگا۔ ضرور کوئی ایسی واردات کی اطلاع آئی ہوگی جس کے لیے میری موجودگی ضروری تھی۔ چھوٹی موٹی واردات کے لیے مجھے کوئی جگانے نہیں آ سکتا تھا۔

میں نے دروازے پر جا کر دیکھا، میری توقع کے عین مطابق ایک کانسٹیبل کھڑا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔

''قتل کی واردات آئی ہے جناب!''۔۔۔ کانسٹیبل نے سردی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔''نمبردار تلجارام کا بیٹا قتل ہوگیا ہے''۔

''واردات کی اطلاع لے کر کون آیا ہے؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''نمبردار تلجارام خود آیا ہے جناب!''۔۔۔ کانسٹیبل نے کہا۔

میں نے کانسٹیبل سے مزید کچھ پوچھ کر وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور جلدی جلدی وردی پہن کر اس کے ساتھ تھانے کی طرف چل پڑا۔ تھانے پہنچا تو وہاں تلجارام رونی صورت بنائے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کھڑا ہوگیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر تھپکی دے کر اسے حوصلہ دیا۔

''بڑا ظلم ہوا ہے سرکار!''۔۔۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔''میرا ایک ہی بیٹا تھا''۔

تلجارام کے منہ سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دلاسہ دیا تو وہ کچھ سنبھل گیا۔ اس کے بیٹے کا نام دیا رام تھا اور یہی ایک بیٹا اس کی کل اولاد تھا۔ اسے تو پچھاڑیں مار مار کر رونا چاہیے تھا مگر وہ بڑے حوصلے میں تھا۔ میں اس کا حوصلہ اور ضبط دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میں نے تلجارام کی حالت پر غور کیا تو بڑا حیران ہوا۔ اس کے سفید کپڑے خون آلود تھے۔ خون کے بڑے بڑے دھبے اور زرد چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ کرتے کا ایک بٹن بھی ٹوٹا ہوا تھا۔

میرے استفسار پر اس نے آنسو بھری آواز میں بتایا کہ اس کے بیٹے نے اس کی گود میں دم توڑا تھا۔ کپڑوں پر اس کا خون لگ گیا تھا۔

یہ تفصیل میں آگے چل کر تلجارام کے بیان میں پیش کروں گا۔

میں نے ایف آئی آر درج کی اور تلجارام کا بیان لینے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے راستے میں اس سے پوچھ گچھ کرتا گیا۔ ہم گاؤں پہنچے تو تلجارام کی حویلی کے باہر کچھ لوگ کھڑے تھے۔ دیہات کے لوگ صبح سویرے اٹھ کر اپنے دن کا آغاز کر دیتے ہیں اور شام ڈھلتے ہی اپنے گھروں میں گھس جاتے ہیں۔

تلجارام کی حویلی پکی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اور دو منزل تھی۔ اوپر کی منزل پر صرف دو کمرے تھے جو ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوئے تو آگے کچا صحن تھا جس پر گائے کے گوبر سے لپائی کی گئی تھی۔ صحن میں ایک طرف ایک گائے بندھی نظر

آ رہی تھی۔ ہندو گائے کو مقدس اور اس کے گوبر پیشاب کو پوتر (پاک) سمجھتے ہیں، اس لیے خاص طور پر گائے کے گوبر اور پیشاب سے اپنے باورچی خانے اور گھر کی لیپائی کرتے ہیں۔ یوں تو تلجارام کے پاس بے شمار مویشی ہوں گے جو اس نے باہر کہیں باڑے وغیرہ میں رکھے ہوں گے۔ گھر میں یہ گائے برکت کے لیے رکھی ہو گی۔ یہ ان کی ماتا بھی تھی۔

صحن کے سامنے کی طرف جہاں صحن ختم ہوتا تھا، وہاں ایک برآمدہ تھا اور برآمدے کے بعد چار کمرے بنے ہوئے تھے۔ بائیں طرف ایک اناج ذخیرہ کرنے کے لیے سٹور نما کمرہ بنا ہوا تھا اور صحن کے دائیں طرف سے ایک سیڑھی اوپر والی منزل کی طرف جاتی تھی۔

تلجارام نے بتایا کہ اس کا بیٹا اوپر والے کمرے میں سوتا تھا۔ اسے اوپر الگ تھلگ رہنا پسند تھا۔ وہ اوپر والے کمرے میں ہی قتل ہوا تھا۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلا گیا۔ دائیں طرف والا کمرہ دیارام کا بیڈ روم تھا اور بائیں طرف والے کمرے میں دیارام کا سامان وغیرہ پڑا تھا۔

میں بیڈ روم میں داخل ہوا تو ایک شاہانہ قسم کے بیڈ پر دیارام پشت کے بل پڑا تھا۔ چہرے پر اذیت کے آثار تھے اور آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایسی حیرانگی تھی جیسے پوچھ رہی ہوں کہ یہ کیا ہو گیا۔

بستر کی چادر پر خون ہی خون جما ہوا تھا۔ ارد گرد بھی خون کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ لاش کے دونوں ہاتھوں نے اپنا سینہ پکڑ رکھا تھا۔ سینے پر دل کے مقام والی جگہ سے کرتہ دونوں مٹھیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ سینے پر ایک گہرا زخم تھا جس سے خون بہہ بہہ کر جم گیا تھا۔ آلۂ قتل وہاں موجود نہیں تھا۔ اسے غالباً لمبے پھل والے چاقو سے قتل کیا گیا تھا۔

تلجارام نے اپنے بیٹے دیارام کی عمر پندرہ سولہ سال بتائی تھی۔ میں مقتول دیارام کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اتنا صحت مند تھا کہ پندرہ سولہ سال کی بجائے بیس بائیس سال کا لگتا تھا۔ میری حیرانی کی وجہ یہ تھی کہ دیارام مقتول کا قد کسی طرح بھی چھ فٹ سے کم نہ ہوگا۔ مرنے کے باوجود اس کا گورا رنگ ماند نہیں پڑا تھا۔ اس کے برعکس تلجارام اور اس کی بیوی گندمی سے رنگ کے مالک تھے اور قد کاٹھ بھی درمیانہ تھا۔ بعض عام سی شکل کے ماں باپ کی اولاد بہت خوبصورت ہوتی ہے، یہ بات کئی بار مشاہدے میں آ چکی ہے۔

میں جوں جوں مقتول کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا، مجھے کوئی خاص بات محسوس ہو رہی تھی مگر کوشش کے باوجود جو میرا احساس الفاظ میں نہ ڈھل سکا اور میں سمجھ نہ سکا کہ میرا ذہن کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی جو میرے ذہن میں چبھ رہی تھی لیکن اس وقت میں کچھ نہیں پا رہا تھا۔

فرش پر کرتے کا ایک بٹن پڑا ہوا تھا۔ بٹن میں نے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ یہ قاتل کا بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ تلجارام کے کرتے کا بٹن بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ جس وقت وہ اپنے دم توڑتے بیٹے کو سنبھال رہا تھا، ہو سکتا تھا یہ بٹن اس وقت ٹوٹا ہو۔

میں نے بڑی باریک بینی سے پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر مقتول کے کپڑوں کی تلاشی لی اور تکیے اٹھا کر دیکھا کہ شاید کوئی ایسی چیز مل جائے جو تفتیش میں مدد دے لیکن کوئی ایسی چیز میرے ہاتھ نہ لگی۔ میں نے موقعہ پر جو کارروائی کرنی تھی، وہ کی اور لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوانے کا بندوبست کیا۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لیے چلی گئی تو میں تلجارام کے پاس آ بیٹھا۔ اس کا جوان بیٹا قتل ہو گیا تھا۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

میں نے اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی اور وہ

میری باتوں کے جواب دینے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کی اپنی یا اس کے بیٹے کی کسی کے ساتھ کوئی دشمنی تھی۔

"میں نے کبھی کسی کو دشمن نہیں بنایا"۔ تلجا رام نے کہا۔۔۔ "ہر کسی کے ساتھ پیار محبت کیا ہے۔ ہر کسی کو دوست بنایا ہے...... یہی حال دیا روام کا تھا۔ وہ تو بڑا ہی معصوم تھا"۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

یہ ایک باپ کی سوچ تھی کہ اس کا جوان بیٹا بڑا معصوم تھا۔ میرا خیال اس کے برعکس تھا۔ جوانی کی عمر ہو، خوشحالی ہو اور بیٹا لاڈلا بھی ہو تو پھر بہکنے کے امکانات سو فیصد ہوتے ہیں۔ میں نے ایسی معلومات گاؤں والوں سے اور مقتول دیارام کے بے تکلف دوستوں سے لینی تھیں۔

میں خاصی دیر تک تلجارام سے پوچھ گچھ کرتا رہا۔ اس سے مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ میں آپ کو ایک ترتیب سے سنا دیتا ہوں۔

تلجارام کی شادی کانتا دیوی سے ہوئی تھی۔ شادی کو تین چار سال گزر گئے مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔ انہوں نے بڑی بھاگ دوڑ کی۔ کسی نے جو علاج بتایا وہ کیا۔ دیسی ٹونے ٹوٹکے، ولایتی دوائیاں کھائیں مگر لاحاصل۔ جب تھک ہار کر بیٹھ گئے تو شادی کے چھٹے سال کانتا کی گود ہری ہوگئی اور بیٹا پیدا ہوا۔ چونکہ یہ بیٹا بڑی منتوں مرادوں اور دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا، اس لیے تلجارام کی بیوی کانتا نے ہندو عقیدے کے مطابق اس کا نام دیارام رکھ دیا یعنی رام کی مہربانی۔

انہوں نے بڑے لاڈ پیار سے اس کی پرورش کی۔ بیٹے کی خوشی میں سارے گاؤں میں خوشیاں منائی گئی تھیں۔ گاؤں کے لوگ تلجارام کو بہت پسند کرتے تھے۔ دیارام بڑا خوبصورت جوان نکلا۔ وہ چھوٹی عمر سے ہی بڑا سمجھدار اور سلجھا ہوا تھا۔

قتل کی واردات کے بارے میں تلجارام نے بتایا کہ اسے پیشاب کی بیماری ہے۔ وہ رات کو دو تین مرتبہ پیشاب کے لیے اٹھتا ہے۔ قتل والی رات بھی وہ سویا ہوا تھا کہ اسے بڑے زور کی پیشاب کی حاجت ہوئی۔ اس نے سونے کی کوشش کی لیکن جب تک وہ پیشاب نہیں کر لیتا تھا اسے نیند نہیں آتی تھی۔ اگر وہ زبردستی پیشاب روکنے کی کوشش کرتا بستر پر ہی اس کا پیشاب نکل جاتا تھا۔

وہ پیشاب کر کے اپنے کمرے کی طرف آ رہا تھا کہ اچانک اسے اوپر بیٹے کے کمرے سے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ گھبرا گیا اور بیٹے کے کمرے کی طرف بھاگا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا، تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو اندر کا منظر دیکھ کر سکتے میں رہ گیا۔ دیارام نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ پکڑا ہوا تھا اور اس کے کپڑے خون سے لت پت ہو رہے تھے۔ وہ بڑی تکلیف میں تھا اور کھینچ کھینچ کر سانس لے رہا تھا۔

تلجارام نے تڑپ کر بیٹے کو سنبھالا اور اس سے پوچھا کہ کیا ہوا ہے۔

"اوہ...... باپو...... میں گیا......" دیارام نے اتنا ہی کہا اور پھر اس نے تلجارام کے ہاتھوں میں ہی دم توڑ دیا۔

بیٹے کی لاش دیکھ کر تلجارام کی دھاڑ نکل گئی۔ اس کی بیوی کانتا یہ آواز سن کر اوپر دوڑی آئی۔ جب اس نے اکلوتے بیٹے کو لاش کی صورت میں دیکھا تو خوف اور صدمے سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ سکتے میں آ گئی۔ وہ منہ سے ایک لفظ بھی نہ بولی۔

تلجارام نے بتایا کہ کانتا ابھی تک اسی کیفیت میں ہے۔ گاؤں کی عورتوں نے اسے رلانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اس کا سکتہ نہیں ٹوٹ رہا۔

طوائف اور شریف خون

تلجارام سے بیان لینے کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اچھی طرح یاد کر کے بتائے کہ جب وہ تھانے رپورٹ لکھوانے کے لیے آیا تھا تو اس کی حویلی کا بیرونی دروازہ اندر سے بند تھا یا کھلا ہوا تھا۔ اس کے جواب میں اس نے بتایا کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ قاتل یا تو مقتول کا کوئی دوست تھا جسے مقتول خود دروازہ کھول کر اندر لے آیا تھا یا پھر قاتل دیوار پھاند کر صحن میں کودا ہوگا اور اپنا کام کر کے اطمینان سے دروازہ کھول کر فرار ہو گیا۔ میں نے صحن میں قاتل کے کھرے دیکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہاں گوبر کی لپائی کی وجہ سے کسی قسم کا نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے صحن کے اندر دیوار کے ساتھ ساتھ گھوم کر ساری دیوار اور زمین کو دیکھا لیکن مجھے کہیں کوئی رگڑ یا نشان نظر نہ آیا۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد میں حویلی کی بیٹھک میں بیٹھ گیا اور تلجارام سے مقتول دیارام کے خاص خاص دوستوں کے نام پوچھے۔ اس نے تین لڑکوں کے نام بتائے جن کے ساتھ اس کی بے تکلفی والی دوستی تھی۔ میں نے گاؤں کے ہی ایک آدمی کو بھیجا کہ ان تینوں لڑکوں کو یہاں لے آئے۔ آدمی گیا اورز چند منٹ بعد ہی تینوں لڑکوں کو ساتھ لے آیا۔ اس نے بتایا کہ سارے گاؤں والوں کو دیارام کے قتل کا علم ہو چکا ہے اور لوگ حویلی کے باہر جمع ہیں۔ یہ لڑکے بھی لوگوں کے ساتھ باہر کھڑے تھے۔ دیارام ان کا گہرا دوست تھا۔ تینوں لڑکے اداس اور غمگین نظر آ رہے تھے۔

میں نے تینوں کو بٹھا لیا اور ان سے کہا کہ کسی ظالم نے ان کے دوست کو قتل کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے دوست کے قاتل کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دوں۔ اس کے لیے مجھے ان کی مدد کی ضرورت ہے۔

فرمانِ رسولؐ

آدمی کا ثواب کی نیت سے اپنے اہلِ خانہ پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ (بخاری شریف۔ 4006)

"دیکھو، تمہارا جگری یار قتل ہو گیا ہے"۔۔۔ میں نے تینوں کو مخاطب کر کے کہا۔۔۔ "کوئی کسی کو یونہی جان سے نہیں مارتا۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور میں وہ وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ ان وجوہات میں عام طور پر کسی لڑکی کے ساتھ دوستی، کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا یا دشمنی یا جائیداد وغیرہ کا چکر ہوتا ہے۔ وہ اکلوتا بیٹا تھا، اس لیے جائیداد کے جھگڑے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔۔۔ اب تم بتاؤ کہ مقتول کا کسی لڑکی کے ساتھ کوئی چکر ہوگا یا کسی کے ساتھ دشمنی ہو گی؟"

میری بات سن کر تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کر لیا کہ تینوں میں کون بولے گا۔

"دیارام کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی"۔۔۔ تینوں میں سے ایک لڑکے نے کہا۔۔۔ "نہ ہی اس کا کسی لڑکی کے ساتھ کوئی ایسا ویسا چکر تھا۔ وہ تو بہت ہی سیدھا سادہ مگر حساس لڑکا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل سے لگا لیتا تھا اور کڑھتا رہتا تھا۔ پہلے وہ بالکل ٹھیک رہتا تھا۔ لیکن پچھلے دس بارہ دنوں سے اس میں بہت تبدیلی آ گئی تھی"۔

"کیسی تبدیلی آئی تھی"۔۔۔ میں نے پوچھا۔

"وہ بہت چڑچڑا ہو گیا تھا"۔۔۔ اسی لڑکے نے کہا۔۔۔ "ہر وقت مایوسی کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ یہی کہتا تھا کہ اس کا وجود بیکار ہے۔ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرنے لگا تھا کہ لوگ اس سے نفرت کریں یا اسے ماریں۔ دو مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ کہیں سے دیسی شراب پی کر

ہمارے پاس آ گیا اور الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگا۔ وہ ایسی بری حالت میں تھا کہ دیکھ کر دل کو دکھ ہوتا تھا کہ اتنے شریف والدین کا بیٹا ایسی حرکتیں کر رہا ہے......

''ایک مرتبہ تو اس نے حد ہی کر دی۔ گاؤں کے موچی کی جوان بیٹی گزر رہی تھی۔ دیارام نے اس کا راستہ روک لیا اور اس سے الٹی سیدھی بکواس کرنے لگا۔ لڑکی گھبرا گئی مگر اس نے کچھ نہ کہا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ نمبردار کا بیٹا ہے۔ چند اور لوگوں نے بھی یہ منظر دیکھا مگر دیارام کو کچھ بھی نہ کہا بس پیار سے سمجھا دیا...... میں نے دیارام سے کہا کہ وہ ایک کمین کی لڑکی سے کیوں منہ لگا رہا تھا اگر ایسا کام کرنا ہی ہے تو اپنے برابر کے خاندان کی لڑکی دیکھو......

''سب سے بڑا کمینہ میں خود ہوں'' ___ دیارام نے جواب میں کہا ___ ''میں نیچ اور گھٹیا ہوں''۔

''ایسی حرکتیں تو ناکام عاشق کیا کرتے ہیں'' ___ میں نے کہا ___ ''ضرور تمہارے دوست کو کسی لڑکی نے ٹھکرا دیا ہوگا۔

''اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ہم سے چھپی نہ رہتی'' ___ دیارام کے دوسرے دوست نے کہا ___ ''خاص طور پر مجھ سے وہ کوئی بات نہیں چھپاتا تھا'' ___ اس لڑکے نے بات ختم کر کے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور ایک اشارہ کیا۔

میں اس کے اشارے کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ کوئی ایسی بات بتانا چاہتا تھا جو دوسرے لڑکوں کے سامنے بتانے والی نہیں تھی۔ میں نے لڑکوں سے چند اور باتیں ادھر ادھر کی پوچھ کر ان کا شکریہ ادا کیا اور جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اٹھ کر باہر نکلنے لگے تو میں نے اس لڑکے کو آواز دے کر روک لیا جس نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے اس سے کچھ کام ہے، وہ ذرا دیر اور بیٹھ جائے۔ باقی دونوں لڑکے چلے گئے تو میں نے اسے پھر بٹھا لیا۔

''ایسی کون سی بات ہے؟'' ___ میں نے اس لڑکے سے پوچھا ___ ''جو تم دوسروں کے سامنے نہیں بتانا چاہتے تھے؟''

اس نے پہلے تو اس بات پر حیرانی کا اظہار کیا کہ میں اس کے خفیف سے اشارے سے یہ بات سمجھ گیا ہوں کہ وہ علیحدگی میں کوئی بات بتانا چاہتا ہے۔ پھر اس نے بتایا کہ اس کا نام سیف اللہ ہے اور دیارام سب سے زیادہ اس کے ساتھ بے تکلف تھا۔

''یہ بات دیارام نے صرف مجھے بتائی تھی'' ___ سیف نے کہا ___ ''اگرچہ وہ مر چکا ہے لیکن میں اس کے مرنے کے بعد بھی یہ بات دوسروں کے علم میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ آپ کو بھی صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ شاید اس سے قاتل کو پکڑنے کے لیے کوئی سراغ مل جائے...... بات یہ ہے کہ پچھلے دو تین ماہ کے عرصے میں دیارام بڑی باقاعدگی سے ہفتے میں ایک دو بار شہر جانے لگا تھا۔ ہم سب دوست اس سے پوچھتے تھے کہ وہ شہر کیا کرنے جاتا ہے تو جواب میں وہ ٹال جاتا تھا......

''پھر ایک دن خود ہی اس نے میرے آگے شہر جانے کا راز کھول دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ شہر میں ایک طوائف کے کوٹھے پر جاتا ہے اور اسے وہ طوائف بہت اچھی لگتی ہے۔ اس نے یہ بھی انکشاف کیا کہ وہ باپ کے پیسے چوری کر کر کے اس طوائف کو دیتا رہتا ہے اور طوائف بھی اس سے بہت پیار کرتی ہے''۔

''اس نے طوائف کا نام نہیں بتایا تھا؟'' ___ میں نے سیف سے پوچھا۔

''کومل کماری!'' ___ سیف نے کہا ___ ''دیارام اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے نام کی طرح کومل ہے''۔

''اور کوئی خاص بات؟'' ___ میں نے اسے ٹٹولا۔

''ہاں، یاد آیا'' ___ سیف نے چونک کر کہا ___

"آخری دنوں میں دیارام اپنے پاس ایک خوفناک چاقو رکھنے لگا تھا۔ یہ کھٹکے والا چاقو تھا۔ کھٹکا دبانے سے چھ انچ کا پھل ایک جھٹکے سے نکل آتا تھا۔ میں نے بار بار یہ چاقو اس کے پاس دیکھا تھا اور اس سے پوچھا بھی تھا کہ وہ چاقو کیوں لیے پھرتا ہے، کیا کسی کے ساتھ دشمنی ہو گئی ہے؟ ... اس کا جواب یہ تھا کہ اس چاقو سے وہ ایک پاپی کو قتل کرنا چاہتا ہے، جب بھی داؤ لگ گیا وہ یہ چاقو اس پاپی کے دل میں اتار دے گا"۔

لیکن ہوا اس کے برعکس تھا۔ لگتا تھا وہی پاپی اپنا چاقو اس کے دل میں اتار گیا تھا۔ دیارام کا دشمن اس سے تیز ثابت ہوا تھا۔

"اس نے تمہیں اپنے دشمن کا نام نہیں بتایا تھا؟"۔ میں نے سیف سے پوچھا۔

"نہیں!" ــــ سیف نے مایوسی سے کہا ــــ "میں نے پوچھنے کی کوشش کی تھی اور اس کا ساتھ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے کہا تھا، سیف! یہ میری زندگی کا ایسا راز ہے جو میں تمہیں بھی نہیں بتا سکتا ... کسی کو نہیں بتا سکتا۔ یہ میری آگ ہے اور اس میں صرف میں ہی جلوں گا"۔

میں نے سیف سے کرید کرید کر اور بھی باتیں پوچھیں۔ وہ میرے سوالوں کا جواب دیتا رہا اور مجھے اس سے بڑے کام کی باتیں معلوم ہوئیں۔ ان باتوں کی روشنی میں، میں نے اپنی تفتیش کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے سیف کا شکریہ ادا کیا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔

سیف چلا گیا تو میں نے نمبردار تلجا رام کو بلا لیا اور اس سے پوچھا کہ آخری دنوں میں دیارام کچھ پریشان سا رہتا تھا، کیا یہ بات صحیح ہے؟

"ایسی ہی بات تھی" ــــ تلجا رام نے کہا ــــ "میں نے کئی بار پوچھا بھی تھا لیکن وہ کچھ بتاتا نہیں تھا"۔

"دیارام اپنے پاس ایک چاقو رکھتا تھا" ــــ میں نے تلجا رام سے پوچھا ــــ "وہ چاقو اب کہاں ہے؟"

تلجا رام ایک دم پریشان سا نظر آنے لگا مگر پھر فوراً ہی سنبھل گیا اور بولا ــــ "چاقو والی بات میرے علم میں نہیں ہے سرکار!" ــــ اس نے ذرا توقف کیا اور پھر کہنے لگا ــــ "وہ تو بہت ہی سیدھا اور معصوم سا بچہ تھا، اس نے چاقو کو کیا کرنا تھا؟"

"ہر باپ اپنی اولاد کو سیدھا اور معصوم ہی سمجھتا ہے" ــــ میں نے تلجا رام سے کہا ــــ "کیا یہ بات تمہارے علم ہے کہ تمہارا سیدھا اور معصوم بچہ اسی عمر میں ایک طوائف کے کوٹھے پر جاتا تھا؟"

میری یہ بات سن کر تلجا رام کی حالت بری ہو گئی۔ سردی میں بھی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ مجھے احساس تھا کہ اپنے مردہ بیٹے کے بارے میں یہ انکشاف سن کر وہ کسی کرب سے گزر رہا ہوگا۔ وہ نہایت شریف اور نیک نام آدمی تھا اور اب اس کی برسوں کی کمائی ہوئی عزت خطرے میں پڑ گئی تھی۔

"میں یہ بات جانتا تھا" ــــ تلجا رام نے یہ کہہ کر مجھے حیران کر دیا۔

"تم نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟" ــــ میں نے غصے سے پوچھا۔

"آپ میری مجبوری سمجھتے ہی سرکار!" ــــ تلجا رام نے کہا ــــ "کہ میں اس بات کو کیوں چھپا گیا۔ وہ گھر سے پیسے چوری کر کے طوائف کے پاس جاتا تھا"۔

"تم نے اسے روکا نہیں؟" ــــ میں نے پوچھا۔

"میں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی تھی" ــــ تلجا رام نے کہا ــــ "اس کے آگے ہاتھ تک جوڑے تھے لیکن وہ نہیں مانتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر اسے

زبردستی روکنے کی کوشش کی گئی تو وہ خودکشی کرلے گا....

آپ کی چاقو والی بات بھی ٹھیک ہے۔ اس کے پاس ہر وقت چاقو ہوتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ یہ چاقو اپنے سینے میں نہ اتار لے۔"

"مجھے تلجا رام پر بہت غصہ آیا۔ وہ میرے ساتھ بار بار جھوٹ بول رہا تھا۔ اس نے چاقو کے بارے میں بھی جھوٹ بولا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ اب اگر اس نے مجھ سے جھوٹ بولا یا کوئی بات چھپائی تو میں اسے پولیس کو گمراہ کرنے اور جرم پر پردہ ڈالنے کے الزام میں گرفتار کرلوں گا۔

اس کے بعد میں نے تلجا رام سے اپنے کام کی باتیں پوچھیں اور ضروری کارروائیوں کے بعد تھانے آ گیا۔ تھانے میں آ کر میں کیس کے بارے میں غور کرنے لگا۔ میرے مفروضے کے مطابق دیارام کومل بائی پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا تھا اور کسی قیمت پر اسے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ کومل بائی کا کوئی اور بھی ایسا ہی چاہنے والا ہو اور کومل بائی کی وجہ سے ان دونوں میں دشمنی ہو گئی ہو۔ مخالف فریق نے دیارام کا بولورام کر دیا۔ اب میں نے یہ معلوم کرنا تھا کہ کومل بائی کا ایسا دوسرا عاشق کون ہے۔ اس کے لیے کومل بائی سے ملنا ضروری تھا۔

دوسری طرف ابھی تک جوہر علی کا کیس کسی کروٹ نہیں بیٹھا تھا۔ کہ یہ نیا قتل میرے گلے پڑ گیا تھا۔ بہر حال میں نے اپنے اے ایس آئی کو جوہر علی کے کیس کے متعلق کچھ ہدایات دے کر اسے اس کیس پر لگا دیا تھا اور زیادہ توجہ دیارام کے کیس پر مرکوز کر دی۔ ویسے دونوں کیسوں کی طرف میں نے دھیان رکھنا تھا۔

دیارام کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آ گئی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ چاقو یا خنجر کا گھاو دل تک چلا گیا تھا اور اس سے شہ رگ کٹ گئی تھا۔ جسم پر اور کسی قسم کی ضرب کا نشان نہیں تھا۔ یہی زخم موت کا باعث بنا تھا۔ موت کا وقت رات اڑھائی اور تین بجے کے لگ بھگ لکھا گیا تھا۔

میں نے اس دن کی کارروائی کو یہیں تک محدود کر دیا اور اگلے دن شہر جا کر کومل بائی سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

لیلیٰ مجنوں کا ڈرامہ

دوسرے دن تھانے آ کر میں نے چند ضروری کام نمٹائے اور پھر ایک کانسٹیبل کو ساتھ لے کر شہر چلا گیا۔ وہاں جا کر میں متعلقہ علاقے کے تھانیدار سے ملا۔ یہ ایک ہندو تھانیدار تھا۔ اس کا نام جتیش چند تھا۔ بڑا محنتی تھانیدار تھا لیکن اس میں ایک خرابی تھی کہ جہاں موقع ملتا تھا، رشوت لینے سے نہیں چوکتا تھا۔ میری اس نے بڑی آؤ بھگت کی۔ میں نے اسے اپنا کام بتایا تو اس نے اسی وقت اپنے سکھ اے ایس آئی کو میری مدد کے لیے ساتھ کر دیا۔

اس سکھ اے ایس آئی کا نام ترلوک سنگھ تھا۔ اس کی شکل سے اور بات کرنے کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا اور وہ اجڈ اور وحشی قسم کا انسان ہے اور تھانے آنے والے ملزموں کے لیے کسی جلاد سے کم نہیں ہو گا اس کی باتوں سے بیوقوفی اور حماقت بھی ٹپکتی تھی مختصراً یوں سمجھ لیں کہ وہ بہت ہی "سکھ" تھا۔

میں اس کی رہنمائی میں اس علاقے میں چلا گیا جہاں دن سوتے ہیں اور راتیں جاگتی ہیں۔ دن کے گیارہ بارہ بجے کا وقت تھا اور وہاں ایسی خاموشی تھی جیسے سب مر گئے ہوں۔ ترلوک سنگھ کے ساتھ میں کومل بائی کے کوٹھے پر پہنچ گیا۔ ترلوک نے آگے بڑھ کر کسی کا نام لے آواز دی.... کوئی باہر نہ نکلا تو ترلوک سنگھ نے زوردار آواز سے دروازہ بجایا اور گلا پھاڑ کر آواز لگائی۔ تھوڑی دیر بعد ایک پہلوان نما نوجوان آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا۔

دو باوردی پولیس والوں کو دیکھ کر وہ چونک گیا اور

گھبرا کر ہاتھ ماتھے پر رکھ کر سلام کیا اور اندر لے جا کر ایک سجے سجائے کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا۔ اس نے چائے پانی کے لیے پوچھا تو میں نے منع کر دیا۔

''حکم سردار جی؟''۔۔۔ اس پہلوان نے ترلوک کی طرح دیکھ کر کہا۔ وہ غالباً ترلوک سنگھ کو پہلے سے جانتا تھا۔ ایسے لوگوں کا پولیس والوں سے واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے۔

''کومل بائی کو بلاؤ''۔۔۔ ترلوک سنگھ نے رعب سے کہا۔۔۔ ''صاحب نے کچھ پوچھ گچھ کرنی ہے''۔

''باجی تو ابھی سو رہی ہے''۔۔۔ اس پہلوان نے کہا۔۔۔ ''رات کو دھندا بہت تھا اس لیے......''

''اوئے انھا اس کشتی کو''۔۔۔ ترلوک نے انتہائی ننگی گالی دے کر کہا۔۔۔ ''اتنے جوتے ماروں گا کہ مغز ناک کے راستے بہہ جائے گا...... ہم سرکاری کام سے آئے ہیں کوئی تمہارے پیو کے نوکر ہیں کہ اس کے اٹھنے کا انتظار کریں''۔

وہ پہلوان کان دبا کر بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آیا اور بتایا کہ باجی کو اٹھا دیا ہے، تھوڑا انتظار کریں۔ وہ تیار ہو کر ابھی آتی ہے۔

پہلوان کی بات سن کر ترلوک سنگھ کا پارہ پھر چڑھ گیا۔ وہ پھر سکھوں والی ننگی گالیاں بکنے لگا۔

''ہم اس کے کمرے میں جائیں گے''۔۔۔ ترلوک سنگھ نے کہا۔۔۔ ''ہم تفتیش کرنے آئے ہیں، مجرا سننے نہیں آئے کہ وہ تیار ہو کر آئے گی''۔

پہلوان پریشان ہو کر ترلوک سنگھ کا منہ تکنے لگا۔ وہ پھر اندرونی حصے کی طرف چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد آ کر کہنے لگا، اندر آ جائیں۔ ہم اس کی رہنمائی میں چلتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ پہلوان نے دروازے پر دستک دی اور پھر ہمیں اندر جانے کا اشارہ کیا۔ ہم اندر چلے گئے۔ بڑی خوبصورت سے سجا ہوا کمرہ تھا۔ کومل نے ماتھے تک ہاتھ لے جا کر اور تھوڑا جھک کر ہمیں سلام کیا۔ یہ طوائفوں کا خاص انداز تھا۔

کومل میری توقعات کے برعکس نکلی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی نوخیز لڑکی ہوگی جس پر دیارام جیسا نوجوان مر مٹا، لیکن وہ میرے اندازے کے مطابق پچیس چھبیس برس کی ہوگی۔ اس کے چہرے اور جسم کو دیکھ کر اس کی صحیح عمر کا اندازہ لگانا بڑا مشکل تھا۔ میں تھانیدار تھا۔ میری اور عام آدمی کی نظروں میں بڑا فرق تھا۔ ویسے بھی کومل بائی اس وقت میک اپ کے بغیر تھی۔ رات کو میک اپ اور تیز روشنیوں کی چکا چوند میں اس کا حسن کچھ اور ہی قیامت ڈھاتا ہوگا۔ ویسے عمر سے قطع نظر اس میں غضب کی کشش تھی۔ ورنہ اس سے پہلے کئی طوائفوں کو تفتیش کے دوران میک اپ کے بغیر دیکھنے کا تجربہ کچھ اچھا نہ تھا۔

کومل نے چائے پانی کے لیے پوچھا مگر میں نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ وہ ہمارا کیا خدمت کر سکتی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اس کے پاس دیارام نامی ایک نوجوان آتا تھا، میں اس کے متعلق بات کرنے آیا ہوں۔

''ہاں، وہ بڑا پیارا آدمی ہے''۔۔۔ کومل نے کہا۔۔۔ ''کچھ دنوں سے نہیں آیا''۔

''کیا وہ تمہارا باقاعدہ گاہک تھا؟''۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''ایسا نہیں سرکار!''۔۔۔ کومل بائی نے چونک کر کہا۔۔۔ ''وہ میرے لیے گاہک نہیں ہے''۔

''وہ نا سمجھ اور کمسن تھا''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''تم نے اسے اپنے ناز و انداز میں پھانس رکھا ہوگا''۔

وہ ایک دم تڑپ سی گئی اور کہنے لگی۔۔۔ ''آپ دیارام کے لیے ''تھا'' کا لفظ کیوں استعمال کر رہے ہیں؟''

میں نے اسے جان بوجھ کر نہیں بتایا تھا کہ دیارام کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ میں کسی مناسب موقع پر یہ انکشاف کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ اسے اصل بات بتا دوں۔

''دیارام کو کل رات کسی دشمن نے قتل کر دیا ہے''۔۔۔ میں نے اسے بتا دیا۔

وہ ایک دم لرز کر رہ گئی اور ایسی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔

''میں اس کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں تمہارے پاس آیا ہوں''۔۔۔ میں نے اپنی بات مکمل کی۔

دیکھتے ہی دیکھتے کومل بائی کی خوبصورت آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہنے لگے اور پھر وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ میں اور ترلوک سنگھ حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگے۔ یہ طوائفیں تو صرف پیسے سے محبت کرتی ہیں۔ ان کی نظر گاہک کی جیب پر ہوتی ہے۔ جب تک جیب بھری رہے یہ پاس رہتی ہیں اور جیب خالی ہوتے ہی دھتکار دیتی ہیں۔ کومل بائی کا یہ روپ ہم دونوں کے لیے نرالا اور نہ سمجھ میں آنے والا تھا۔

میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ہو سکتا ہے دیارام اور کومل بائی ایک دوسرے سے سچی محبت کرنے لگے ہوں۔ کومل یہ پیشہ چھوڑنا چاہتی ہو۔ ایسے کئی واقعات ہوئے تھے کہ کوئی طوائف دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے کسی چاہنے والے گاہک کے ساتھ بھاگ گئی ہو۔ مجھے اس غصہ آنے لگا کہ اس نے اپنے سے بہت چھوٹی عمر کے لڑکے کو پھانس رکھا تھا۔

''یہ لیلیٰ مجنوں کا ڈرامہ بند کرو''۔۔۔ میں نے غصے سے کہا۔۔۔ ''وہ تمہارے بیٹے کی عمر کا تھا''۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا سرکار!''۔۔۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ ''وہ میرے بیٹے کی عمر کا تھا۔۔۔۔۔ میں اسے بیٹا ہی سمجھتی تھی''۔۔۔ پھر اس کی ہچکی بندھ گئی۔

کومل بائی بار بار مجھے حیران کر رہی تھی میں نے اس سے کہا کہ وہ پوری بات سنائے کہ وہ دیارام کو گاہک کی بجائے اپنے بیٹا کیوں سمجھتی تھی اور کیا دیارام بھی اسے ماں سمجھتا تھا؟''

''وہ بدنصیب میرا گاہک بن کر آتا تھا''۔ کومل بائی نے دکھی لہجے میں کہا۔۔۔ ''میرے اوپر دوسروں کی طرح نوٹ پھینکتا تھا۔ مجھے اس کے نوٹ پتھروں کی طرح لگتے تھے۔ میں اسے نوٹ پھینکنے سے منع کرتی تھی تو وہ کہتا تھا کہ میں دوسروں کو کیوں منع نہیں کرتی۔۔۔۔۔ ایک بار اس نے جذباتی ہو کر مجھے اپنی بانہوں میں بھر لیا تو میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔۔۔۔۔''

کومل بائی نے بڑی لمبی بات سنا دی۔ میں آپ کو مختصر کر کے اپنے الفاظ میں کومل کی کہانی سنا دیتا ہوں۔

دو بیٹے، دونوں حرامی

دیارام پہلی بار کومل کے کوٹھے پر آیا تو یہ بھولا بھالا نوجوان اس کے دل کو بہت اچھا لگا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ کسی عزت دار گھرانے کا شریف سا لڑکا ہے۔ کومل اس پر خصوصی توجہ دینے لگی۔ دیارام بھی غالباً پیار کا ترسا ہوا تھا۔ وہ کومل کے ساتھ دل کی باتیں کرتا تھا۔ وہ اسے اپنے بیٹے کی طرح سمجھتی تھی لیکن دیارام کے ساتھ تماش بینوں والا رویہ رکھتا تھا۔

یہاں میں نے کومل سے پوچھا کہ وہ دیارام کو اپنے بیٹے کی طرح کیوں سمجھتی تھی جبکہ وہ اس کے لیے اچھا خاصا منافع بخش گاہک تھا۔

کومل نے بتایا کہ جب اس کی عمر سولہ سال کی تھی تو اس کی نتھ اتروائی کی رسم ادا کی گئی۔ اس کا پہلا گاہک انتہائی دولت مند آدمی تھا اور اس نے منہ مانگی قیمت دی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ اس کو

بیٹے کی شکل بھی نہیں دکھائی گئی اور کہیں غائب کر دیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر اسے کنواری ظاہر کر کے کسی دولت مند سے بھاری رقم اینٹھی جا سکے۔

کومل نے بتایا ہمارے ہاں بھائی کھاتے پیتے ہیں، خوب جان بناتے ہیں اور پہلوانی کرتے ہیں اور اگر کوئی تماش بین غنڈہ گردی کرے یا بدمعاشی پر اتر آئے تو اس سیدھا کر دیتے ہیں۔ جو پہلوان ہمیں اندر لے کر آیا تھا، وہ کومل کا سگا بھائی تھا۔

کومل نے دیارام کو دیکھا تو اسے اپنا بیٹا یاد آ گیا وہ اس کے ساتھ کچھ اور طرح کا پیار کرنے لگی مگر دیارام اس کے ساتھ اوچھی حرکتیں کرتا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ اس کردار کا لڑکا نہیں ہے، بس جان بوجھ کر ایسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک بار تنہائی میں اس نے کومل کے ساتھ لپٹنے کی کوشش کی تو کومل نے اسے زوردار تھپڑ مار دیا۔ اس کے جواب میں دیارام نے بھی پوری قوت سے اسے جوابی تھپڑ مارا۔

یہ مردانہ تھپڑ تھا اور اس قدر زوردار تھا کہ کومل کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ چیخ کی آواز سن کر اس کا پہلوان بھائی آ گیا۔ وہ دیارام کی مرمت کرنا چاہتا تھا لیکن کومل نے اسے روک دیا۔ پھر کومل نے اس سے پوچھا کہ وہ غلیظ بن کا آدمی نہیں ہے پھر ایسی حرکتیں کیوں کرتا ہے۔ اس کے جواب میں دیارام کے آنسو نکل آئے۔

''میں غلیظ نہیں ہوں'' ۔ اس نے کومل سے کہا۔ ''لیکن غلاظت کی پیداوار تو ہوں...... میں اپنے باپ کا نہیں ہوں...... میری ماں نے مجھے چور دروازے سے پیدا کیا ہے۔ میرا وجود ناجائز ہے، میں حرامی ہوں پھر میں نیک شریف بن کر کیوں رہوں...... میں چاہتا ہوں کہ سب مجھ سے نفرت کریں۔ مجھے دھتکار دیں...... تمہارے کوٹھے پر بھی اسی وجہ سے آتا ہوں''۔

کومل نے دیارام سے پوچھا کہ اسے کس طرح یقین ہے کہ وہ ناجائز اولاد ہے۔ اس کے جواب میں دیارام نے بتایا کہ گاؤں کا ایک آدمی اس کے باپ کی غیر موجودگی میں اس کی ماں سے ملتا تھا۔ چھوٹی عمر میں تو اسے پتہ نہ چلا کہ یہ اچھی بات ہے یا بری۔ جب وہ جوان ہوا تو اس بات کو سمجھنے لگا۔ اب وہ آدمی اس کی ماں سے نہیں ملتا تھا۔ ان کی ملاقاتیں اب نہ ہونے کے برابر تھیں۔

ایک رات جب تلجا رام کسی کام سے گیا ہوا تھا اور گھر میں دیارام اور اس کی ماں ہی تھے۔ رات کے کسی وقت دیارام کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اوپر والے کمرے میں سوتا تھا۔ اسے ماں کے کمرے سے کسی کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دبے قدموں نیچے اترا۔ کوئی مرد تھا جو اس کی ماں سے باتیں کر رہا تھا۔

اس روز ان کی باتیں سن کر اس پر انکشاف ہوا کہ وہ حرام کی اولاد ہے اور اس کا باپ تلجا رام نہیں بلکہ یہ شخص ہے۔ اس شخص نے کسی طرح دیارام کی ماں کو پھانس لیا تھا اور اب اسے بلیک میل کر رہا تھا کہ اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ اس کی ماں اس آدمی منت سماجت کر رہی تھی کہ وہ اتنے زیادہ پیسوں کا انتظام نہیں کر سکتی، وہ اس پر رحم کرے اور اس کا بسا بسایا گھر برباد نہ کرے۔ وہ آدمی دھمکیاں دے رہا تھا کہ سارے گاؤں میں تیم[illegible] کی عزت کا جنازہ نکال دے گا۔

دیارام کو اس آدمی پر بہت غصہ آیا اور اس کا جی چاہا کہ وہ اسی وقت اس آدمی کا گلا گھونٹ دے مگر پھر وہ اس خیال سے آگے نہ گیا کہ اس طرح اس کی ماں ساری عمر اس کے آگے شرمندہ رہے گی۔ دیارام نے اس آدمی کو قتل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ صرف موقع کی تلاش میں تھا۔

''اپنے اس پہلوان سے میرا کام کرا[illegible] گی؟'' ۔ ساری بات سنا کر دیارام نے کومل سے کہا۔

"کون سا کام؟" ــــ کومل نے پوچھا۔

"اسی آدمی کو قتل کرنا ہے" ــــ دیارام نے کہا ــــ "جتنے پیسے لو گے، میں دے دوں گا"۔

کومل نے اسے کو کہا کہ وہ اس کا کام کرا دے گی وہ حوصلہ رکھے۔

یہاں پر میں نے کومل سے پوچھا کہ دیارام جس آدمی کو قتل کرانا چاہتا تھا۔ اس نے اس کا نام کیا بتایا تھا۔

"جوہر علی" ــــ کومل نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے جوہر علی کو تم نے اپنے پہلوان بھائی سے قتل کرایا ہے" ــــ میں نے کومل سے کہا۔

"نہیں، یہ غلط ہے" ــــ کومل نے کہا ــ "دیارام نے یہ کام خود ہی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جوہر علی کو دیارام اور اس کے باپ نے مل کر قتل کیا تھا۔

دیارام نے کومل کو تفصیل سنائی تھی۔

دیارام نے لمبے پھل والا ایک چاقو خرید لیا تھا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا۔ آخری ایک دن اس نے جوہر علی سے کہا کہ اس کی ماں نے رات کو فلاں جگہ کھیتوں میں اسے بلایا ہے۔ جوہر علی یہ سن کر خوش ہو گیا۔ اس نے سوچا ہو گا کہ کانتا نے اس کے لیے پیسوں کا بندوبست کر لیا ہے۔ رات کو جب جوہر علی دیارام کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا تو دیارام وہاں پہلے سے موجود تھا۔ جوہر علی دیارام کو وہاں دیکھ کر بہت حیران ہوا اور اس سے پوچھا کہ اس کی ماں کیوں نہیں آئی۔

"دیارام خاموش رہا اور کچھ نہ بولا۔

"کیا تم میرے لیے پیسے لے کر آئے ہو؟" ــــ جوہر علی نے دیارام سے پوچھا۔

"میں پیسے نہیں، موت لے کر آیا ہوں" ــــ دیارام نے غصے کے عالم میں کہا ــــ "تم میری ماں کو بلیک میل کرتے ہو، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا" ــــ یہ کہہ کر دیارام نے چاقو نکال لیا۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں تمہاری ماں کو بلیک میل کرتا ہوں؟" ــــ جوہر علی نے گھبرا کر پوچھا۔

"میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے" ــــ دیارام نے کہا ــــ "اس رات میں نے چھپ کر ساری باتیں سن لی تھیں"۔

دیارام نے جوہر علی پر چاقو کا وار کیا جو وہ پھرتی سے بچا گیا۔ دیارام پر تو جنون سوار ہو چکا تھا۔ وہ اندھا دھند چاقو چلانے لگا۔ جوہر علی بڑی مشکل سے بچ رہا تھا۔

"سنو دیارام!" ــــ جوہر علی نے کہا ــــ "اگر تم نے ساری باتیں سن ہی لی ہیں تو پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں تمہارا باپ ہوں...... کیا اپنے باپ کو قتل کر دو گے؟"

"تم مجھے حرام طریقے سے اس دنیا میں لانے کا باعث بنے ہو" ــــ دیارام نے کہا ــــ "میں تم سے نفرت کرتا ہوں، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔

دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ اب جوہر علی کی کوشش تھی کہ وہ دیارام سے چاقو چھین لے۔ وہ چاقو کے واروں سے بچتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا کہ اچانک اس کے پیچھے فصل کے اندر سے ایک آدمی نمودار ہوا۔ اس نے چادر لپیٹ رکھی تھی۔ اس آدمی نے دونوں بازو کھولے، چادر کے کنارے اس کے ہاتھوں میں تھے۔ اس وقت وہ کسی دیوپیکر چمگادڑ کی طرح لگ رہا تھا جو پر پھیلائے کھڑی ہو۔ اس آدمی نے جوہر علی کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ جوہر علی اپنے آپ کو اس سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

ادھر دیارام جنون کی حالت میں تھا، اس نے یہ سوچنے کی بجائے کہ جوہر علی کو پکڑنے والا کون ہے، جوہر علی کے پیٹ میں چاقو گھونپ دیا۔ جوہر علی کے منہ سے "ہائے" کی آواز نکل گئی مگر دیارام پاگل ہو چکا تھا۔

اس نے چاقو کے کئی وار جوہر علی پر کیے۔ اس دوران اسے پکڑنے والے آدمی نے اسے چھوڑا نہیں۔ جب زیادہ خون بہہ جانے سے جوہر علی پر غشی طاری ہونے لگی تو اس آدمی نے اسے چھوڑ دیا۔ جوہر علی نیچے گر پڑا۔

تب دیارام نے اس آدمی کی طرف دیکھا، اور وہ حیران رہ گیا۔ وہ اس کا باپ تلجا رام تھا۔ تلجا رام نے دیارام سے کہا کہ یہاں سے فوراً نکلو، کہیں کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔ دونوں باپ بیٹا گھر پہنچ گئے۔ تلجا رام نے بیٹے سے خون آلود چاقو لے کر اسے اچھی طرح دھو کر اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر دونوں نے اپنے کپڑے دھوئے اور آرام سے لیٹ گئے۔

''دیارام میرے ساتھ ہر بات کر لیتا تھا''۔۔۔ ساری بات سنا کر کومل بائی نے کہا۔۔۔ ''اسے قتل کے بعد اگلے دن ہی مجھے یہ ساری بات سنا دی تھی۔۔۔۔۔ اب آپ سے سنا ہے کہ دیارام کو بھی کسی نے قتل کر دیا ہے۔۔۔۔۔ آج میرا بیٹا زندہ ہوتا تو وہ بھی دیارام جیسا ہوتا، دونوں حرام کی موت مر گئے۔ دونوں بدنصیب حرامی تھے''۔

اس کے ساتھ ہی کومل کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ دو اپنے بیٹوں کے لیے رونے لگی جو اس دنیا میں چور دروازے سے آئے تھے اور دنیا والوں نے انہیں اسی دروازے سے واپس بھیج دیا تھا۔

اس طوائف نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا تھا اور جوہر علی کے قتل کا سراغ مل گیا تھا۔ اب ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا اور وہ یہ کہ جوہر علی کا قاتل خود بھی قتل ہو گیا اور مجھے اس کے قتل کا سراغ لگانا تھا۔

• میں نے کومل بائی سے پوچھا کہ یہاں اس اس کے کوٹھے پر بھی دیارام کا کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا تو نہیں ہوا۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو وہ مجھے بتا دے، اس طرح قاتل کو پکڑنے میں آسانی ہو گی۔

''ایسی کوئی بات نہیں''۔۔۔ کومل بائی نے کہا۔۔۔ ''اس کا یہاں بھی کسی گاہک کے ساتھ جھگڑا نہیں ہوا۔ وہ میرے بیٹے جیسا تھا اور میں اس کا ایک ماں کی طرح رکھتی تھی''۔۔۔ پھر اس نے ذرا توقف کر کے کہا۔۔۔ ''آپ میری مانیں تو دیارام کے قاتل کو گاؤں میں ہی تلاش کریں''۔

اس کی بات میرے دل کو لگی کہ اگر اس کا یہاں کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں ہوا تھا پھر قاتل گاؤں کا ہی کوئی آدمی ہونا چاہیے۔ میں نے کومل کے تعاون پر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر اس کے بیان کی ضرورت پڑی تو اسے عدالت میں بھی بیان دینا ہو گا۔

اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے قاتل کو سزائے موت دلانے کے لیے ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہے۔ میں نے اس سے کچھ اور باتیں پوچھیں اور پھر میں تر لوک سنگھ کو ساتھ لے کر وہاں سے آ گیا۔

میں اپنے تھانے واپس آ رہا تھا اور میرا ذہن بڑی تیزی سے سارے حالات و واقعات پر غور کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں بہت کچھ واضح ہونے لگا تھا۔

میں نے تھانے پہنچتے ہی جوہر علی کے قتل کا کیس تیار کرنا شروع کر دیا۔ کومل بائی کا بیان بھی شامل کر دیا۔ اب میں نے نمبردار تلجا رام کو اعانت قتل اور جرم چھپانے کے الزام میں گرفتار کرنا تھا۔

میں نے جب دیارام کی لاش دیکھی تھی تو یوں محسوس ہوا تھا کہ کوئی چیز میرے ذہن میں چبھ رہی ہے جسے میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کومل کے بیان کے بعد وہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ یہ جو چیز میرے ذہن میں اس وقت چبھ رہی تھی، وہ یہ تھی کہ دیارام کے چہرے کے نقوش مقتول جوہر علی سے بڑی مشابہت رکھتے تھے۔ اس کا قد کاٹھ اور رنگ روپ بھی جوہر علی پر گیا تھا، کیونکہ جاتا

آخر وہ جوہر علی کا بیٹا تھا، ناجائز ہی سہی۔

اب ان خطوط پر سوچ رہا تھا کہ دیارام کو کون قتل کر سکتا ہے۔ ایک شک مقتول جوہر علی کے بیٹے مظہر علی پر ہوتا تھا کہ اسے کسی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس کے باپ کو دیارام نے قتل کیا ہے۔ اس نے اپنے باپ کا انتقام اپنے ہاتھ سے لے لیا ہو۔ دوسرے نمبر پر جو شخص مشتبہ تھا وہ تلجارام تھا۔ اس کے پاس بھی قتل کی وجہ موجود تھی کہ دیارام اس کا جائز بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ ایک مسلمان کا خون تھا۔

پھر میرے ذہن میں تلجارام کے خون آلود کپڑے اور اس کے کرتے کا ٹوٹا ہوا بٹن آگیا جو مقتول دیارام کے کمرے سے ملا تھا۔ اس وقت یہ صورت حال نہیں تھی جواب میرے سامنے آگئی تھی، اس لیے میرے ذہن میں ایسا شک نہ ابھرا کہ باپ بیٹے کو قتل کر سکتا ہے۔

تلجارام کے حق میں یہ بات جاتی تھی کہ اگر وہ دیارام کو قتل کرنا چاہتا تو اسی رات جب جوہر علی قتل ہوا تھا، وہ دیارام کو بھی ٹھکانے لگا سکتا تھا۔

میں جتنا زیادہ سوچتا گیا، اتنا ہی میرا دماغ الجھتا گیا۔ میرے اوپر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی تھی۔ میں نے جوہر علی کے قتل کے سلسلے میں تلجارام کو گرفتار کرنا ہی تھا، اس لیے میں نے فیصلہ کرلیا کہ پہلے تلجارام کو تفتیش کی چکی میں ڈالوں گا اور اگر اس نے دیارام کے قتل کا اقرار نہ کیا تو پھر مقتول جوہر علی کے بیٹے مظہر علی کو رگڑا دوں گا۔

یہی سوچ کر میں نے نمبردار تلجارام کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کرلیا میں نے اپنے اے ایس آئی کو کہا کہ وہ تلجارام کو تھانے لے کر آجائے اور یہ نہ کہے کہ اسے گرفتار کیا جارہا ہے، بس اسے کہے کہ تھانیدار نے بلایا ہے۔ اے ایس آئی ایک کانسٹیبل کے ساتھ چلا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ کانسٹیبل جو اے ایس آئی کے ساتھ گیا تھا، وہ واپس آگیا۔ اس نے بتایا کہ نمبردار تلجارام کی بیوی صبح سویرے سکتے کی حالت میں چل بسی ہے اور اب اس کے کریا کرم کا انتظام ہورہا ہے۔ اے ایس آئی نے پیغام بھجوایا تھا کہ وہ کانتا دیوی کے کریا کرم سے فارغ ہونے کے بعد تلجارام کو ساتھ لے کر آجائے گا۔

یہ اس کیس کی تفتیش کے دوران تیسری موت تھی۔ دیارام اگرچہ اس کی ناجائز اولاد تھا مگر اس نے بیٹے کی موت کا اتنا زیادہ صدمہ لیا تھا کہ جان سے گزر گئی۔

ایک چاقو دو قتل

شام پانچ بجے کے لگ بھگ اے ایس آئی تلجارام کو ساتھ لے کر تھانے آگیا۔ میں نے اس کے ساتھ رسمی طور پر اس کی بیوی کے مرنے پر افسوس کا اظہار کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''سب کچھ تباہ ہوگیا سرکار!'' — تلجارام نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا — ''اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گا؟''

میں نے محسوس کیا کہ وہ ذہنی طور پر ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور خودکشی کی طرف مائل ہے۔ یہ صورت حال میرے لیے سازگار تھی۔ میں باتوں باتوں میں جوہر علی کے قتل کی طرف آگیا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ مجھے تمام بات معلوم ہوگئی ہے کہ مقتول جوہر علی کو دیارام اور اس نے مل کر قتل کیا ہے اور یہ کہ مجھے شک ہے کہ اپنے بیٹے دیارام کو بھی اسی نے قتل کیا ہے۔

''تم خود بیان دو گے یا میں سارا واقعہ بیان کروں؟'' — میں نے اس سے کہا — ''اگر خود بیان دے دو گے تو میں تمہارے ساتھ رعایت کروں گا اور کس نرم بناؤں گا''۔

''میں کسی قسم کی رعایت نہیں لینا چاہتا'' — تلجارام نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا — ''آپ میرا،

اقبالی بیان لکھ لیں کہ جوہر علی کو اور دیارام کو میں نے قتل کیا ہے۔ مجھے پھانسی پر لٹکا دیں‘‘۔۔۔۔ اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

کہتے ہیں چپڑی اور دو دو، یہی صورت حال میرے ساتھ تھی۔ کہاں میں ایک قتل کا سراغ لگانے کے لیے پریشان ہو رہا تھا اور کہاں دونوں کیسوں کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

تلجارام نے بڑی تفصیل سے بیان دیا تھا۔ میں اس کا بیان اپنے الفاظ میں سنا دیتا ہوں۔ جس رات دیا رام نے مقتول جوہر علی کو قتل کرنے کے لیے کھیتوں میں بلایا تھا اور خود اس کو قتل کرنے کے لیے رات کو گھر سے نکلا تو اتفاق سے تلجارام نے سے دیکھ لیا اور چوری چھپے اس کا پیچھا کرتے ہوئے موقعۂ واردات تک پہنچ کر فصل میں چھپ گیا۔ پھر دیارام اور جوہر علی کی باتوں سے اس پر انکشاف ہوا کہ دیارام در اصل اس کا بیٹا نہیں بلکہ اس کی بیوی نے اس کو دھوکہ دے کر جوہر علی کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ اسی کے نتیجے میں دیارام پیدا ہوا۔

اس کا خون ابلنے لگا۔ اس نے جوہر علی کو پیچھے سے اچانک دبوچ کر دیارام کو موقع دیا کہ وہ چاقو کے وار کرے۔ جب جوہر علی مر گیا تو وہ دیارام کو ساتھ لے کر گھر آ گیا۔ چاقو دھویا پھر کپڑے دھوئے۔ اس کی بیوی کانتا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے نہیں علم تھا کہ دونوں باپ بیٹا کیا کر آئے ہیں۔

تلجارام کو اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ جو بھی ہوا وہ اسے بھول جائے گا اور اپنی بیوی کو معاف کر دے گا اور دیارام کو بیٹے کی جگہ قبول کر لے گا۔ وہ بنیادی طور پر شریف آدمی تھا اور حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اگلی صبح جب پورے گاؤں میں جوہر علی کے قتل

نیت

کتنی بھی اچھی ہو، دنیا آپ کو آپ کے دکھاوے سے جانتی ہے..... اور دکھاوا کتنا بھی اچھا ہو، اللہ آپ کو آپ کی نیت سے جانتا ہے۔

کی خبر پھیل گئی تو کانتا سمجھ گئی کہ جوہر علی کو کس نے قتل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کانتا کے دل میں یہ بات آئی کہ اس کا بھید کھل گیا ہے کہ دیارام اس کے اور جوہر علی کے گناہ کا نتیجہ ہے۔ وہ باپ بیٹے کا سامنا کرنے سے کترانے لگی۔ دوسری طرف تلجارام نے اس سے اس سلسلے میں ایک لفظ بھی نہ کہا لیکن کانتا بڑی حساس تھی۔ وہ اولاد کی خواہش میں ایک گناہ کر بیٹھی تھی اور اب اس انکشاف کے بعد کہ اس کے خاوند اور بیٹے پر اس کا گناہ کھل چکا ہے، وہ دونوں کا سامنا کرنے سے اکترانے لگی۔

آخر تلجارام نے اس سے کھل کر بات کی کہ جو کچھ ہو چکا ہے، وہ اسے بھول جائے، اسے اس سے کوئی شکایت نہیں۔

’’تم نے تو مجھے معاف کر دیا ہے‘‘۔۔۔ کانتا نے تلجارام سے کہا۔۔۔ ’’لیکن بیٹا کبھی معاف نہیں کرے گا۔ وہ جن نظروں سے دیکھتا ہے، میرا جی چاہتا ہے انہی قدموں پر کھڑی کھڑی مر جاؤں۔ ایک ماں کے لیے اس سے بڑی ذلت اور کیا ہو گی کہ اس کے بیٹے کو علم ہو کہ اس کی ماں نے اسے چور دروازے پیدا کیا ہے وہ جب بھی میرے سامنے آئے گا، میری موت ہو گی۔ میں رات رات میں کتنی بار مرتی ہوں، یہ کوئی نہیں جانتا..... اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ بھگوان! مجھے موت دے دے‘‘۔۔۔ اس کے بعد کانتا بلک بلک کر رونے لگی۔

ایک بار کانتا خودکشی کرنے لگی مگر تلجارام نے

بروقت دیکھ لیا اور اسے بچالیا۔ وہ چھت کے شہتیر سے پھندہ ڈال کر لٹکنے کی تیاری کر رہی تھی۔

تلجارام کو کانتا سے بچی محبت تھی۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اچانک اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ سارے فساد کی جڑ دیارام ہے۔ اگر دیارام نہ ہو تو سارا فساد ختم ہو جائے گا۔ یوں بھی وہ ناجائز تھا اور ایک مسلمان کا خون تھا۔ جوں جوں تلجارام سوچتا گیا، اس کے دماغ پر خون سوار ہوتا گیا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اس نے صندوق سے وہ چاقو نکالا جس سے دیارام نے جوہر علی کا خون کیا تھا اور اس نے وہ چاقو اس سے لے کر دھونے کے بعد سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ وہ چاقو ہاتھ میں لے کر باہر نکلا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا دیارام کے کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا، دیارام پیٹھ کے بل بے خبر سو رہا تھا۔

تلجارام نے چاقو کا کھٹکا دبایا تو اس کا چھ انچ لمبا پھل باہر نکل آیا۔ اس نے سوئے ہوئے دیارام کے دل کا نشانہ لیا اور پھر پوری نفرت اور طاقت کے ساتھ وار کر دیا۔ دیارام بری طرح تڑپا، اچھلا لیکن تلجارام نے چاقو نہ نکالا بلکہ اسے اور زور زور سے دبائے رکھا۔ دیارام نے اسے دیکھا اور صرف اتنا ہی کہہ سکا۔۔۔ ”باپو۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ اچھا کیا“۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ میں آپ کو پہلے سنا چکا ہوں۔ میں نے تلجارام کا اقبالی بیان قلمبند کر کے اس کے دستخط کرالئے۔ پھر اس کے ساتھ گاؤں میں جا کر معززین کی موجودگی میں آلۂ قتل برآمد کیا۔ اس چاقو سے دو انسان قتل ہوئے تھے۔

اس المناک واردات کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ گاؤں کے لوگ تلجارام کی اتنی عزت کرتے تھے اور اتنی محبت دیتے تھے کہ ان کے علم میں یہ بات آئی کہ پولیس نے نمبردار کو اپنے بیٹے کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے تو وہ بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ پولیس والوں کو غلطی لگی ہے، اصل قاتل جلدی سامنے آجائے گا۔

میں نے تھانے پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بھوپندر جس کو شک میں تھانے بٹھا رکھا تھا، گھر جانے کی اجازت دے دی اور سختی سے کہا کہ وہ آئندہ جوا نہ کھیلے۔ وہ میرا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔

میں نے تمام ضروری کارروائیاں کرنے کے بعد کیس عدالت میں پیش کر دیا۔ تلجارام نے اپنی طرف سے کوئی وکیل نہ کیا تھا۔ اسے عدالت کی طرف سے وکیل مہیا کیا گیا مگر تلجارام اپنے اقبالی بیان پر ڈٹا رہا۔ اس کیس میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ جج نے تلجارام کو اس کے حالات کی وجہ سے صرف سات سال سزائے قید بامشقت سنائی۔

ایک صبح میں بڑے خوشگوار موڈ میں تھانے بیٹھا تھا، جوہر علی اور دیارام کے قتل کے کیس نمٹ گئے تھے اور میں خود کو بڑا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اچانک میری نظر باہر کی طرف پڑی تو بھوپندر سنگھ نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی کرپان تھی۔ وہ سیدھا میری طرف آیا۔ میں نے دیکھا، کرپان خون آلود تھی۔

”لو جی سرکار!“۔۔۔ اس نے کرپان میری میز پر رکھ کر کہا۔۔۔ ”سی میرا اقبالی بیان منگدے سی۔ بن لکھ لو۔ میں اپنی دھرم پتنی رنجی کو دے ٹوٹے کر آیاں!“

بھوپندر سنگھ نے بڑے فخر سے میری طرف دیکھا اور میں نے اپنا سر پکڑ لیا۔

یہ دو ہفتوں کے دوران چوتھی لاش تھی جس کا میں سامنا کرنے والا تھا۔